اشاعت نمبر : ۱۴۲

جلد دوم

بیانات

بقیة السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

مرتب

مولوی محمد شاکر بورسدی

مدرس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

ناشر

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

بائی پاس روڈ، مقام: جمبوسر، ضلع: بھروچ (گجرات، انڈیا)

اشاعت نمبر : ۱۴۲

جلد دوم

بیانات

بقیة السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

مرتب

مولوی محمد شاکر بورسدی

مدرس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

ناشر

جامعه علوم القرآن، جمبوسر

بائی پاس روڈ، مقام: جمبوسر، ضلع: بھروچ (گجرات، الہند)

تفصیلات

کتاب کا نام : بیانات جلد:(۱)

افادات : بقیۃ السلف داعی کبیر حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب دامت برکاتہم

مرتب : مولوی محمد شاکر بورسدی (مدرس جامعہ ہذا)

سن اشاعت : ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ

ملنے کا پتہ

Jamiah Uloomul Quran, by pass road
Jambusar (Dist. Bharuch) 392 150
Web: www.jamiahjambusar.in
E-mail: jamiahjambusar@gmail.com, juqjambusar@gmail.com
Tel. (02644) 220786 / 220286 Fax. 222677

Darun Nashr
Jamiah Islamiyyah Trust
Post code : 38146
Lusaka - Zambia
Tel: 847868
Email: jamiah@zamnet.zm

Mufti A.Khaaliq Bhoola
93 Inver Avenue Crosby
Johannesburg
(South Africa)
Tel. +0027829627963

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر
21	عرض ناشر	✵
25	تذکرہ ومختصر احوال	✵
	بیان نمبر :[۱] [سیلم ، صوبہ :تمل ناڈو] اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے	
32	کامیابی کا دارومدار نیت پر ہے	✵
33	انصارِ مدینہ نصرت کا اعلیٰ نمونہ ہیں	✵
33	ایثار کے تین درجے	✵
34	نقصان کے بدلے میں احسان کرو	✵
35	ایثار کا مطلب	✵
35	دین کے لیے مددگار بننا یہ بڑا کام ہے	✵
35	نصرت سے دین کو حیات ملتی ہے	✵
36	ایثار اعلیٰ درجہ ہے	✵
37	حق کے خاطر یہود سے مخالفت	✵
38	اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے	✵
39	اپنی طاقت کے بقدر خرچ کرو	✵

✵	دنیا پیچھے جا رہی ہے اور آخرت آگے آ رہی ہے	40
✵	کام کرنے والوں کی قدر کرو	40
✵	دین کے کام میں وسعت	41
✵	اخلاص کی علامت	41
✵	دین کے سب کام ہمارے ہیں	42
✵	دین میں اعتدال اور اجتماعیت	43
✵	دعاء دینے والا مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے	44
✵	دین میں تعصب اور عصبیت نہیں ہے	44
✵	لوگوں کی صلاحیتوں کو دین پر لاؤ	45
✵	نبی نبوت کی محنت سے مال نہیں مانگتے	45
✵	دعوت کی مثال برستے پانی کے مانند ہے	46
✵	باطل میٹھا اور حق کڑوا ہوتا ہے	47
✵	باطل کا مقصود مال اور حق کا مطلوب آخرت	48
✵	صحابۂ کرامؓ کی دعوت	48
✵	حکموں کے پورا ہونے میں کامیابی	49
✵	جان مال کا بہترین استعمال اللہ کا دین	50
✵	نصرت کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہے	51
✵	صحیح نیت، صحیح عمل، صحیح ترتیب	51

✵	وہ عمل مقبول ہوگا جو خالص اللہ کے لیے ہو	52
✵	نفسانیت سے دین کا کام بگڑتا ہے	53
✵	قومیت وعلاقائیت یہ باطل کے راستے ہیں	54
✵	اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بنو	55
✵	سوئے ہوئے فتنوں کو نہ جگاؤ	55
✵	دین اللہ کی بڑی امانت ہے	56
✵	دین کی شکر گذاری استقامت ہے	57
✵	دعوت اور عبادت میں فرق نہ کرو	57
✵	دعوت تو عبادت کے لئے ہے	58
✵	دین کی محنت اصولوں کے ساتھ کرو	58
✵	ہر بات کو اس کے جاننے والوں سے پوچھو	59
✵	اعلیٰ درجہ کی نفسانیت	60
✵	اللہ کا دین پاک ہے	61
✵	ذمہ داری کو پورا کرنے کا نام عمل ہے	61
✵	اخلاق عبادت کا پھل ہے	62
✵	اعمال صالحہ کے پابند بنو	62
✵	حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوتی ہے	63
✵	دشواری کے ساتھ آسانیاں آتی ہیں	63

✵	حق کی انتہاء کامیابیوں سے ہوتی ہے	64
✵	اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرو	64
✵	اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک کرلو	65
✵	تکبر حق سے محرومی کا سبب ہے	66
✵	اللہ کا دین اللہ کی امانت ہے	67
✵	اللہ سے اپنے عمل کو قبول کرالو	67
✵	دین کا کام صبر وثواب کا کام ہے	68

بیان نمبر [۲] [پٹنہ ، صوبہ : بہار]

دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو

✵	دین کی سمجھ حاصل ہونے کی علامت	70
✵	فقیہ اور سفیہ	70
✵	سب سے بڑا مرض آدمی کی نفسانیت ہے	71
✵	نفس کی مثال کتے اور سانپ کی سی ہے	71
✵	دین پھیلانے کے بڑے اعمال	72
✵	دین کو فاسد کرنے والی چیزیں	72
✵	اخلاص پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر نیک صحبت ہے	73
✵	دوسرا مؤثر عمل	73

✵	اللہ سے لینے کے بہت راستے ہیں	74
✵	قابلیت تو کام میں جمنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے	75
✵	دین اعمال کے مجموعے کا نام ہے	76
✵	پورے دین کی محنت کرنی ہے	76
✵	دین کے حق ہونے کا یقین ہو	77
✵	استقامت ملکوتی صفت ہے	77
✵	عمل کو ترک کرنا بھی ایک طرح کا اعراض ہے	78
✵	عبدیت اللہ کو بہت پسند ہے	79
✵	نبوت کے درجے آپ پر بند ہو گئے	79
✵	ضرورتیں پوری نہ ہوئیں تو نقصان ہوگا	80
✵	ضرورت کس کو کہتے ہیں	81
✵	ضرورتوں کو دینی طریقہ پر پورا کرنا بھی دین ہے	82
✵	مقصد میں مستعمل وسائل بھی دین ہے	82
✵	مسلمان کو دنیا دار نہیں کہنا چاہیے	83
✵	مال وہ جمع کرتا جس کو کوئی عقل نہیں	83
✵	ہمارا نام مسلمان کیوں؟	84
✵	عمل میں استقامت کی فضیلت	84
✵	سستی کسے کہتے ہیں؟	85

✵	سستی کا علاج چستی	85
✵	اللہ کو پابندی بہت پسند ہے	86
✵	جو غلطی کو تسلیم کرلے گا، اللہ کو غفور الرحیم پائے گا	87
✵	پابندی کام کی ترقی ذریعہ ہے	88
✵	نفس کی تربیت کیسے ہوگی؟	88
✵	اللہ کے راستہ کی بڑی خیر	89
✵	احسان کرنا معاشرت کا عمل ہے	90
✵	پابندی سے نفس دبتا ہے	90
✵	اصول کی پابندی کا طریقہ	91
✵	عمل اصول کے ساتھ ہو تو نمونہ بنتا ہے	91
✵	اصلیت کی طرف رجوع کرو اور اصلیت والوں کا ساتھ دو	92
✵	کام اصول پر ہوگا تو زندگی اصول پر آئے گی	93
✵	اطاعت مذہب کی روح ہے	94
✵	اطاعت کے تین درجے ہیں	95
✵	اولی الامر کی اطاعت کب؟	95
✵	صحیح بات چھوڑنا نہیں اور غلط کو ماننا نہیں	96
✵	اطاعت ادب و عظمت کے ساتھ ہو	97
✵	اطاعت حق کی ہوتی ہے، ناحق کی نہیں	98

✵	مشورہ کام کی حفاظت اور سلامتی کا ذریعہ ہے	98
✵	اللہ سے مشورہ کرنے کا نام استخارہ ہے	99
✵	طالب حالب ہوتا ہے	100
✵	خلوص سے فیض پہونچتا ہے	100
✵	مشورہ کی کیفیت نرمی ہے	101
✵	”فاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ“ کا مطلب	102
✵	مشورہ میں بانٹ، چھانٹ اور ڈانٹ نہ ہو	102
✵	حق کے مقابلے میں اڑنا اور اکڑنا نہ ہو	103
✵	مشورہ سے آپس کا تناؤ ختم ہوتا ہے	104
✵	حق ہمیشہ دھیرے دھیرے چلتا ہے	104
✵	ہماری ذمہ داریاں	105
✵	دین دنیا کا فرق کیا ہے	106
✵	دنیا کا فائدہ بھی مختصر اس کی ذمہ داری بھی مختصر	107
✵	دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو	108

بیان نمبر [۳] [مڈگاؤں ، گووا]

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو

✵	دین کی مدد کے لیے انصار کو نمونہ بنایا	111
✵	اعتراض اور شکایت میں فرق	111

❋	انصار کا مقام	112
❋	انصار کی تربیت	113
❋	لوگوں کے مقام ومرتبہ کی قدر کرو	114
❋	پوری امت کو ایک پیغام	115
❋	انصار نے ساری عمر دین کا ساتھ دیا	115
❋	نصرت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے	116
❋	آخرت کس کو ملے گی؟	116
❋	دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو	117
❋	حسنِ نیت کے ساتھ حسنِ عمل بھی ہو	117
❋	اپنے عمل کو تقوی والا بناؤ	118
❋	اخلاق سے دعوت کو پانی پہنچتا ہے	119
❋	جہالت کا مقابلہ اخلاق سے ہوتا ہے	119
❋	کام کو صحیح رخ پر لانا ضروری ہے	120
❋	حق کڑوا اور باطل میٹھا ہوتا ہے	121
❋	عمل میں تو اختلاف ہوسکتا ہے دین میں نہیں	121
❋	ہر اتفاق ممدوح نہیں، ہر اختلاف مذموم نہیں	122
❋	بدنامی سے اپنے دین کو بچانا ہے	123
❋	دین کے لیے حسن اسلوب بہت ضروری ہے	123

✵	ہمارے کام میں مقابلے اور جھگڑے نہیں ہے	124
✵	دین تو خیر خواہی اور ہمدردی کا کام ہے	124

بیان نمبر[٤] [بنگلور، صوبہ : کرناٹکا]

دنیا حالات کا گھر ہے

✵	اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی	125
✵	اللہ کی نعمتوں میں غور کرو	126
✵	بندہ تکلیف میں نعمتوں کو بھول جاتا ہے	126
✵	نفس چھوٹے بچہ کی طرح شاکی ہے	127
✵	اللہ کی قدرت اور حکمت	127
✵	اللہ سے تعلق اور گمان صحیح ہو	128
✵	اللہ کے خزانے لامحدود ہیں	128
✵	شیطان مایوسی لاتا ہے	129
✵	شیطان اللہ سے ناامید ہے اور دوسروں کو بھی ناامید کرتا ہے	129
✵	حکمت تو صرف اللہ ہی جانتے ہیں	130
✵	کام کرتے رہو، ناامید نہ بنو	130
✵	دعوت میں اللہ ہی کا تعارف ہو	131
✵	اللہ کی محبت دل میں ہو تو اطاعت آسان ہو جاتی ہے	131
✵	ایمان کو سنوارنے کی بنیادی باتیں	134

✵	گناہ ناممکن نہیں بلکہ عین ممکن ہے	135
✵	عقل انسان کی رہبری کے لیے ہے	135
✵	دین وشریعت عقل کی رہبری کے لئے ہے	135
✵	متقی اورتائب کی جنت ایک ہوگی	136
✵	توبہ واستغفار کا بدلہ جنت	136
✵	دعوت میں اللہ کی شان کھلتی ہے	137
✵	بندہ بن کر دکھاؤ، بڑا بن کر نہیں	138
✵	نیکی کے کاموں میں سبقت کرنی چاہئے	138
✵	دین کا کام استقامت سے کرو	139
✵	نفسِ خروج مقصود نہیں، ذمہ داری سمجھنا مقصود ہے	139
✵	دین کی سمجھ پیدا ہونے کی نشانی	140
✵	آخرت کا نقصان بھاری ہے	141
✵	آخرت کو دنیا پر ترجیح دو	141
✵	دنیا آخرت بنانے کے لئے دی گئی ہے	142
✵	نادانی کی بات	142
✵	دین کے کام میں دوام واستقامت پیدا کرو	143
✵	صرف پانچ کام دین نہیں ہیں	144
✵	استقامت کی بہترین مثال	144

✵	عمل کی پابندی اثر کر کے رہتی ہے	145
✵	استقامت کس کو کہتے ہیں؟	145
✵	نماز کے لئے اپنے پیٹ اور پیٹھ کو ہلکا رکھو	146
✵	ہر عمل میں درمیانی چال چلو	146
✵	کام کا بوجھ لو تا کہ استقامت اور قبولیت آوے	147
✵	دنیا حالات کا گھر ہے	147
✵	حالات میں کیسے چلیں؟	148
✵	ہمارے دین میں تو آسانی ہے	148
✵	سچا تاجر نبیوں کے ساتھ ہوگا	149
✵	مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں	150
✵	مسلمان بازار میں رہ کر بھی ولی ہے	150
✵	حلال کمانا اور حرام سے بچنا بڑی عبادت ہے	151
✵	انصاف واحسان کا مطلب:	152
✵	اخلاق بلند ہوں گے دعوت کامیاب ہوگی	153
✵	دعوت میں نکلنے والے اخلاق کی مشق کریں	153
✵	حالات کے اعتبار سے نبیوں کی دو قسمیں	154
✵	ازواج مطہرات کا دین کی خدمت کرنا	155
✵	اپنے گھر والوں کو دین سکھاؤ	156

✵	یہودی پڑوسی کے ساتھ ابن عمر کا معاملہ	156
✵	دعاء مانگنا یہ مخلص ہونے کی نشانی ہے	157
✵	تبلیغ کس کو کہتے ہیں؟	157
✵	آگ بوجھ گئی باغ لگ گیا	158
✵	اخیر تک دین پر چلنا ہے اور چلنے والے تیار کرنے ہیں	158
✵	زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں	159
✵	بڑوں کی رہبری میں برکت اور بڑائی میں شر ہے	160
✵	امارت وصدارت کا سوال کبھی نہ کرو	160
✵	حضرت ابوبکرؓ کا اعلان	161
✵	دین کا کام امانت ہے وراثت نہیں	162
✵	دین بھلائی چاہنے کا نام ہے	162

بیان نمبر[۵] [بروڈا، صوبہ : گجرات]

سچائی اور امانت سے دین کا کام کرو

✵	رسول اللہ ﷺ کی دو بنیادی صفتیں	165
✵	دین کے کام کو امانت سمجھو	165
✵	سچوں کے ساتھ رہو	166
✵	اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرو	167
✵	دو قسم کے لوگ	168

✵	فیضان کا زمانہ	168
✵	آخرت کیسے بنتی ہے؟	169
✵	بنا ہوا ہی کام کو بناتا ہے	169
✵	''بصیر'' کا معنی	170
✵	دین کے کام میں غرض شامل ہوئی تو فتنہ فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا	170
✵	سب سے پہلا شر نفس سے شروع ہوتا ہے	171
✵	دین کے کام کا سب سے بڑا اثر	171
✵	ساری حسنات اور بھلائیوں کی جڑ تقوی ہے	172
✵	قبولیت کی دعاء مانگو، عمل کر کے بے فکر نہ بنو	173

بیان نمبر[٦] [سوجترا، صوبہ: گجرات]

دین کے کام میں اعتدال ضروری ہے

✵	ایمان والوں پر اللہ کا بڑا احسان	175
✵	ہجرت کے بعد بڑا عمل	175
✵	انسان کی ساری صلاحیتیں دین کے لیے ہے	176
✵	انصارِ مدینہ کا نصرت دین کے لیے انتخاب	177
✵	اہل حق کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے	178
✵	شیطان کی دعوت ایک دھوکہ ہے	178
✵	اسباب پر دین حق کا دارومدار نہیں ہے	179

✵	ہر حال میں دین کا کام کرنا ہے	180
✵	حضرت عثمانؓ کا دین کے لئے مال لگانا	180
✵	صحابہ کا خلوص	181
✵	بیعت کس کو کہتے ہیں	181
✵	انصار کا مقام	182
✵	اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، کمزوروں پر حالات نہیں لاتا	182
✵	فضائل صدقات اصل میں تزکیہ کی کتاب ہے	183
✵	روزانہ موت کو یاد کرو	184
✵	ہمارے کام میں کوئی شو نہیں اور شور بھی نہیں	184
✵	نینوا کے امام صاحب کی دینی نصرت	185
✵	شریعت سنت کی پابندکو استقامت کہتے ہیں	186
✵	پانچ کام تو صرف مشق کرنے کے لئے ہیں	186
✵	اخلاص اور اللہ کی مدد یہ اس کام کی بنیادیں ہیں	187
✵	کمزوروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے	188
✵	کام میں اعتدال کیسے آتا ہے؟	189

بیان نمبر[۷] [احمد آباد، صوبہ: گجرات]

ھدایت والی جماعتیں

✵	نعمت بھی غفلت پیدا کرتی ہے	191

✵	نعمت خداوندی کا استحضار ہو	192
✵	ہدایت والی دو جماعتیں	192
✵	توفیق تو خدا ہی دیتا ہے	193
✵	کفرانِ نعمت محرومی کا باعث ہے	193
✵	انصارِ مدینہ نے اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کی	194
✵	آتش پرست کا بیٹا صحابیٔ رسول بن گیا	195
✵	امانت ترقی کا بنیادی زینہ ہے	195
✵	اللہ تعالیٰ کو اپنی امانت اور صدق و وفا دکھائیے	196
✵	تقویٰ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے	196
✵	خوفِ خدا اور یقینِ محکم مخلصین کی امتیازی صفت ہے	198
✵	کشادگی کی امید بہترین عبادت ہے	198
✵	ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے	199
✵	بعثت نبوی ﷺ کا آغاز مشکلات بھرا	199
✵	پھر آسانیاں پیدا ہوتی ہیں	200
✵	تنگی اور دشواری اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے	201
✵	عارف باللہ حالات سے خوفزدہ نہیں ہوتا	201
✵	اللہ کی شان نرالی ہے	202
✵	کوئی امیر تو کوئی فقیر	202

✵	کمزور خدائی مدد کا مستحق ہے	203
✵	سچوں کے ساتھ خدائی مدد ہوتی ہے	204
✵	بندہ ہر وقت خدائی مدد کا محتاج ہے	204
✵	ہمارا مقصد آخرت ہو	205
✵	دنیا ہماری بڑی فکر نہ ہو	206
✵	صرف چلت پھرت نہ ہو	206
✵	اخلاق بھی دعوت کا ذریعہ ہے	207
✵	نبوی اخلاق کا ایک واقعہ	207
✵	اللہ کو اخلاص دکھاؤ اور بندوں کو اخلاق	207
✵	اختلاف ہو لیکن اکرام کے ساتھ	208
✵	اختلاف کے بھی آداب ہیں	208
✵	ضد نے ابوجہل کو محروم کر دیا	209
✵	اختلاف تو ہونے ہی والا ہے	209
✵	حق میں دیر ہے اندھیر نہیں	210
✵	اختلاف تو امام شافعیؒ کو بھی تھا	210
✵	عقلمند اور دانا کو اختلاف ہوتا ہے	211
✵	اختلاف رحمت بھی ہو سکتا ہے	212
✵	مشورہ نبوی ہدایت ہے	212

✵	حضرت عمرؓ نے ایک شوریٰ بنائی	213
✵	جو دعویٰ کرے گا اللہ اس کو جھوٹا ثابت کرے گا	214
✵	یہ چمن رو رو کر تعمیر کروایا ہے	214
✵	کام کرنا ہے، دعویٰ سے بچنا ہے	215
✵	مخالفت نے دعوت کو بہت نقصان پہنچایا	216
✵	یہ سب ہمارے بھائی ہیں	216
✵	دور علوی ہمارے لئے اختلاف میں اسوہ ہے	217
✵	کچھ اہم ہدایات	217

بیان نمبر(۸) [خانپور، بھروچ، صوبہ: گجرات]

ایمان ویقین کے برکات

✵	مؤمنین پر اللہ کا سب سے بڑا احسان	220
✵	دین رہا تو یہ دنیا رہے گی	221
✵	ایمان کی وجہ سے برکت اور بدلہ دونوں ملتے ہیں	221
✵	نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں	222
✵	دین پر چلنے کے لئے فیصلہ کرنا ہے	222
✵	سوال سے طلب پیدا ہوتی ہے	223
✵	حق بات کو قبول کرو	224
✵	بڑی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی	224

✵	آفت اور مصیبت میں فرق	225
✵	شیطان دنیا کی تکلیفوں سے ڈراتا ہے	225
✵	تسویف کا مطلب	226
✵	تسویف دخول جہنم کا بڑا سبب	227
✵	حج کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت	227
✵	میسرہ کا واقعہ	228
✵	یہودی پادری کا مشورہ	229
✵	حجۃ الوداع میں میسرہ کی حاضری	230
✵	دین اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں	231
✵	دین کے کام میں جلدی کرو اور آگے بڑھو	232
✵	ناگوار حالات دین کی ترقی کا ذریعہ	232
✵	ایمان ویقین کے برکات	233
✵	قربانیاں لکھی جاتی ہیں	234
✵	دین قائم کرنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے	235
✵	دین کے کام میں آگے بڑھو، حالات ٹھیک ہوں گے	235
✵	ہم اللہ والے ہیں، ملک ومال والے نہیں	236
✵	ایمان کی تاثیر	236
✵	کلمہ اور ایمان کا حق	237

✵	اسباب میں اللہ کی قدرت کا ظہور	237
✵	دعاء مؤمن کا ہتھیار ہے	238
✵	دعاء کام کے ساتھ اور کام دعاء کے ساتھ	239
✵	نبیوں کی دعوت سالوں کی ہوتی تھی دنوں کی نہیں	239
✵	اللہ طاقتور کو کمزور اور کمزور کو طاقتور بناتے ہیں	240
✵	تم اللہ کے ہوجاؤ، اللہ تمہارا بچاؤ کرے گا	241
✵	ہمارا کام کوئی معمولی چیز نہیں ہے	241
✵	اسلام عجیب طریقہ سے شروع ہوا ہے	242
✵	ہر وقت اللہ اور رسول کا کلمہ بلند ہوتا رہتا ہے	243
✵	اللہ کا دین قیامت تک چلے گا	243
✵	صحابۂ کرام کی دو حصے	244
✵	محنت ہوگی دین کے راستے کھلیں گے	245
✵	دین کی دعوت بارش کے پانی کی طرح سے ہے	246
✵	دین کا سب سے پہلا اور اہم سبق	246
✵	نبی امت کے ساتھ اور امت نبی کے ساتھ ہوتی ہے	247
✵	نبی امت کے لیے والد کے مانند ہوتا ہے	248
✵	ایمان اطمینان دلاتا ہے اور بے ایمانی پریشان کرتی ہے	248
✵	پہلے ناگوار حالات آتے ہیں پھر اللہ حالات بناتے ہیں	249

✵	نبی کسی کو دشمن نہیں سمجھتے	250
✵	دین رحمت ہے	251
✵	دنیا دھوکے کی جگہ ہے	252
✵	تین چیزوں کی محنت کرنی ہے	252
✵	معاشرت بنے گی تو دین کے راستے کھلیں گے	253
✵	مسلمانوں کی معاشرت احسان اور انصاف والی ہو	254
✵	فضول خرچی انسان کو کنگال کرتی ہے	254
✵	اسراف برکت کو ختم کر دیتا ہے	255
✵	اللہ کے وعدے سچے ہیں	256
✵	دعاء	257

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

بقلم :حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتھم

مھتمم: جامعہ علوم القرآن ،جمبوسر،بھروچ

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين !امابعد:

اللہ کی سب سے بڑی نعمت دین ہے،اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کواس کائنات میں رہنے اور بسنے والے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے اپنی آخری اور کامل ہدایت بنا کر بھیجا جواب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے واحد راہِ نجات ہے،اس لیےاس دین کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی لے لی ہے فرمایا:﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ یعنی ہم نے اس ذکر کونازل کیاہےاورہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں،بعض حضرات نے یہاں ذکر سے مرادقرآن لیاہےلیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ مکمل دین وشریعت ہے،یعنی قیامت تک یہ دین کسی نہ کسی گروہ یا جماعت کے پاس اپنی اصل شکل میں ضرور موجود رہے گا۔

نیز ارشاد ربانی﴿یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ﴾ کے پیش نظر حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت من جانب اللہ مأمور بالتبلیغ تھی،اس لئے آپ ﷺ کا ہرقول وعمل اورآپ ﷺ کی ہر حرکت وسکون تبلیغ دین سے عبارت تھی،اسی طرح بعثت نبوی کے مقاصد بیان کرتے ہوئے خودقرآن کریم گویاہے﴿ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ

رَسُولاً مِّنهُم يَتلُوا عَلَيهِم آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالحِكمَةَ﴾ جسکا لازمی نتیجہ اور خلاصہ یہی ہوا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی پوری حیات مبارکہ تلاوتِ کتاب، تزکیہ وتصوف اور تعلیم کتاب وحکمت میں صرف فرمائی، اور اسطرح آپ ﷺ نے اپنے اوپر عائد فریضۂ خداوندی ''دعوت وتبلیغِ دین'' میں صرف فرمائی۔ لہذا امت کا جو بھی فرد یا افراد مذکورۂ بالا شعبوں میں سے جس کسی شعبہ سے وابستہ اور اس میں مشغول ہوگا وہ شریعت کی نظر میں دین کی دعوت اور تبلیغ میں مشغول ہے۔

تبلیغ دین منصب نبوت کا اہم فریضہ ہے، اور آپ علیہ السلام خاتم النبیین ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کی موجودگی میں تاکیداً فرمایا تھا ''الا فلیبغ الشاھد الغائب'' (سن لو جو موجود ہیں تو ان لوگوں تک پہونچادیں جو موجود نہیں ہے) لہذا یہ فریضہ ہر اہل ایمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

الحمدللہ پچھلی نصف صدی سے جاری دعوت وتبلیغ کی عظیم محنت سے پوری دنیا میں جو اسلامی اخوت، بھائی چارگی کی فضا قائم ہوئی، اور نوجوانوں میں جو دینی شعور پیدا ہوا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کام کی وسعت وہمہ گیریت کے ساتھ ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک ایک ہی نہج اور ایک ہی فکر کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اس عظیم محنت کو شروع ہی سے نامور علماء ربانین کی محنت اور رہنمائی حاصل ہوتی رہی، جنہوں نے اس کارِ عظیم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔

ان ہی نفوسِ قدسیہ میں داعیٔ کبیر استاذ الاساتذہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولوی دامت برکاتہم ذات بھی ہیں، جن کی سادگی، بے نفسی، اعتدال، علمی رسوخ، خلوص ومحبت نمایا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کام کے نہج کو سمجھانے اور نئے طبقات کو مطمئن

کرنے اور علماء کو دعوتی کام کی طرف رغبت دلانے کا عظیم ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا نے عرصۂ دراز تک بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں اپنی تدریسی خدمات کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی عظیم خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ سالِ گذشتہ مرکز نظام الدین پر جو ناگفتہ بہ احوال پیدا ہوئے محتاجِ بیان نہیں ہیں، جس کی وجہ سے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا بھی تبلیغ کے کام کو غلط نظریات اور افکار کی آمیزش سے بچانے اور اکابر کے مشرب ومسلک کو باقی رکھنے کی نیک غرض سے بادل ناخواشتہ مرکز نظام سے الگ ہو کر اپنے وطن تشریف لے آئے۔

احقر نے اس موقع پر حضرت مولانا کو جامعہ ہذا میں مستقل قیام اور تدریسی خدمات کے لیے دعوت پیش فرمائی، گجرات اور بیرون گجرات کے مختلف اداروں سے بھی آپ کو مدعو کیا گیا، لیکن جامعہ کی سعادت مندی کہ حضرت والا نے احقر کی پیش کردہ دعوت کو قبول فرما کر جامعہ کو ترجیح دی اور مؤرخہ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ سے جامعہ میں مستقل قیام کا پختہ ارادہ کرلیا اور اس دن سے اب تک حضرت مولانا اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو اطمینان قلبی کے ساتھ انجام دینے کے ساتھ ساتھ جامعہ کے طلبہ کو صحیح بخاری شریف، ترجمہ کلام پاک اور ھدایہ آخرین کے اسباق بھی پڑھاتے رہے ہیں۔ ولله الحمد على ذلك، اللہ تعالیٰ حضرت کی صحت، قوت میں برکت عطا فرما کر حضرت کا سایہ امت پر عافیت کے ساتھ دراز فرمائے۔ آمین۔

زیر نظر کتاب حضرت مولانا دامت برکاتہم کی وہ قیمتی بیانات کا وہ مجموعہ ہے جو آپ نے مرکزی وصوبائی سطح کے مشوروں اور پرانوں کے جوڑ میں فرمائے تھے۔ باتوں کی عمدگی اور افادیت کے پیش نظر ہم جامعہ کے شعبہ نشر اشاعت سے شائع کرنے کی سعات حاصل کررہے ہیں، اس موقع پر ہم شکر گذار ہیں جامعہ کے فاضل ومدرس مولوی شاکر بورسدی صاحب سلمہٗ

کے، جنہوں نے حضرت مولانا کے بیانات کو آڈیو سے ضبط فرما کر تحریری شکل میں مرتب کیا، اسی طرح ہم ممنون ومشکور ہیں جناب الحاج زکریا بھائی بھوجا زید مجدہٗ (حال مقیم زامبیا) کے، جنہوں نے ان بیانات کو ضبط کروانے سے لیکر طباعت کے تمام مراحل کی ذمہ داری سنبھالی، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس بے لوث خدمت کو قبول فرمائیں اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین۔ یاد رہے کہ ان بیانات کا پہلا حصہ موصوف محترم ہی کے ایماء پر مولانا عبدالودود ندوی صاحب دامت برکاتہم نے ترتیب دیکر دارالنور، لکھنو سے شائع کیا ہے اور جلد دوم کی اشاعت کی سعادت جامعہ کو حاصل ہوئی ہے، انشاء اللہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

دعاء ہے کہ باری تعالیٰ امتِ مسلمہ کو اتحاد و اخلاص اور اعتدال پر مجتمع فرماوے اور ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے، اور کتاب کی اشاعت کو قبول فرما کر اخروی نجات کا ذریعہ بناوے، آمین یارب العالمین۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

تذکرہ ومختصر احوال

بقیۃ السلب داعئ کبیر حضرت مولانا ابراھیم صاحب دیولا مد ظلہ

حضرت مولانا ابراھیم صاحب دیولا دامت برکاتہم کا اصلی وواقعی تعارف ان کی دعوت وارشاد، زہد وتقوی، درس وتدریس، اتباع سنت اور وعظ ونصیحت سے معمور زندگی ہے، ایک کہاوت ہے ہاتھ کنگن کو آئینہ کیسا؟ کی طرح مولانا محترم کا تعارف تحصیل حاصل بلکہ سورج کو چراغ دکھانے یا چاند پر غلاف ڈالنے کے مرادف ہے، جو ذات مرجع خلائق ہو اس کے مقبول عند اللہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جس نے اپنی حیات مستعار کو مقصد حیات پر وقف کردی ہو اس کی زندگی ٹھکانے لگ جانے میں کیا کلام اللہ تعالی ملت کے اس دردمند کی حفاظت فرمائے اور اسباب قبولیت میں برکتیں عطا فرما کر ان کا سایہ عاطفت، عافیت کے ساتھ تا دیر مقدر فرمائے. آمین

ولادت، طفولیت اور ابتدائی تعلیم

آپ کی پیدائش اپنے آبائی وطن دیولا، تحصیل جمبوسر، ضلع بھروچ، صوبہ گجرات، میں ۲۰/ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۵/ اپریل سن ۱۹۳۳ء میں ہوئی، نام ابراھیم رکھا گیا، آپ نے قرآن کریم ناظرہ اور دینیات کی ابتدائی تعلیم نیز فارسی کی تعلیم اپنے وطن کی بنیادی درسگاہ، مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا میں حاصل کی، ابتدائی تعلیم آپ نے

سید احمد قادری صاحبؒ، محترم جناب یعقوب خان صاحب اور حضرت مولانا ابراھیم صاحب کاوی جیسے اساتذۂ کرام سے حاصل کی، پانچویں جماعت تک کی عصری تعلیم بھی پرائمری اسکول دیولا میں بزبان گجراتی حاصل کی۔

درس نظامی کی تعلیم اور تکمیل:

آپ کے والد صاحب نے جونہایت اصولی اور دیندار تھے، آپ کی درس نظامی کی تعلیم کے لئے اس زمانہ میں گجرات کے چند گنے چنے اداروں میں سے دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت کا انتخاب فرمایا، آپ نے انتہائی محنت اور جانفشانی کے ساتھ علم حاصل کیا، رات بارہ بجے تک پابندی کے ساتھ مطالعہ فرماتے، تکرار و مذاکرہ بھی آپ ہی کے ذمہ ہوتے، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو بوستاں جیسی کتاب بھی پڑھائی جن میں آپ کے ہم وطن مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا مرغوب الحق صاحب بھی شامل ہیں، مدرسہ کی باضابطہ تعطیلات کے علاوہ، خود بھی درس کی پابندی کے عادی ہونے کے سبب اور والد صاحب کی جانب سے عدم اجازت کے باعث گھر نہ جاتے، درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ خارجی کتابوں کے مطالعہ کا بھی شوق رکھتے اور درسی وخارجی کتابوں کے مطالعہ کا وقت تقسیم فرماتے، آپ نے راندیر قیام میں فارسی مولانا شیر محمد خراسانی سے اور عربی علوم مولانا مفتی عبد الغنی کاوی، مولانا عبد الصمد کاچھوی، مولانا عبد الحق پیشاوری، مولانا اشرف راندیری، اور گجرات کی مایہ ناز شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد رضا اجمیری سے حاصل کیے، آپ کو

اپنے اساتذہ سے خصوصی تعلق ومحبت وعقیدت تھی اورآپ کے اساتذہ کوبھی آپ سے بے پایاں محبت ولگاوتھا،مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بارہا آپ کا ذکرفرماتے،ملاقات کے وقت آبدیدہ ہوجاتے،قابل دید محبت وشفقت فرماتے،ڈھیروں دعائیں دیتے، اساتذہ کی ایسی شفقت و مربیوں کی نظر میں ایسا مقام،علمی دنیا کی ابلہ پائی کرنے والے جانتے ہیں کہ خدمت وعظمتِ معلم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا،جس کا وافر حصہ آپ کوحاصل تھا۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں:

طلب علم کا شوق اور تحقیق وتلاش کے جذبے نے آپ کو مدینۃ العلم دیوبند کا رخت سفر باندھنے پر مجبور کیا،دارالعلوم اشرفیہ سے دستار فضیلت وسند عالمیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے سن۱۹۵۴ء میں ازھرالھند میں داخلہ لیا،آپ وہاں ماہانہ بیس روپئے بطور فیس جمع فرماتے تھے،اس چشمہ فیض میں آپ نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ ساتھ علامہ بلیاوی،مولانا اعزاز علی،مولانا ظہورالحسن،جیسے اساطین امت ومشائخ ملت سے کسب فیض فرمایا،اوردارالعلوم دیوبند کی سند فضیلت کے ساتھ ساتھ حضرت مدنی نے بھی آپ کوخصوصی سنداورتمغہ عنایت فرمایا۔(ذلك فضل الله يوئتيه من يشاء)

دارالعلوم سے فراغت اورتدریسی خدمات:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اگرچہ قرب وجوار کے دیہاتوں سے آپ کو

طلب کیا گیا مگر آپ نے اشاعت علم اور تبلیغ دین کیلئے اولا اپنے وطن ہی کا انتخاب فرمایا اور قابل تقلید محنت، بے انتہا لگن اور عجیب وغریب کڑھن کے ساتھ سن ۱۹۵۵ء سے سن ۱۹۷۱ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا میں طلبہ کی علمی آبیاری فرماتے رہے، درسی خدمات کے ساتھ ساتھ تبلیغی سرگرمیاں، اصلاحی بیانات اور دیگر گونا گوں خدمات کا سلسلہ دیولا اور قرب وجوار اور دور دراز کے دیہاتوں تک جاری رہا۔

شوق دعوت وتبلیغ:

مولانا کو زمانہ طالب علمی ہی سے اس کام سے والہانہ شغف تھا، راندیر کے قیام کے دوران چھٹی کے دن نیز روزانہ عصر کے بعد اساتذہ کرام کی نگرانی میں گشت فرماتے، مولانا رنگونی قاری عبدالرحمٰن صاحب آپ سے بیان بھی کرواتے، یہ سلسلہ زمانہ طالب علمی میں روز افزوں جاری رہا، فراغت کے بعد بمبئی کی ایک جماعت کی بات سن کر جس میں ایک نو مسلم عبدالرحمٰن ملنگ صاحب تھے، دل میں اس کام کا داعیہ موج زن ہوا اور باہمہ جان وتن اس کام کی طرف متوجہ ہو گئے، آپ کا پہلا چلہ ۱۹۵۸ء میں اعظم گڑھ میں لگا، وہاں سے کلکتہ تبلیغی اجتماع میں شرکت فرمائی اور وہاں سے مرکز نظام الدین دھلی تشریف لے گئے، وہاں حضرت جی مولانا یوسف صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی، اس وقت حیات الصحابہ زیر کتابت تھی، حضرت جی مولانا یوسف صاحب نے ان کو اس کا مسودہ بھی عنایت فرمایا، یہ چلہ باون دنوں کا ہو گیا اور اکابرین مرکز کی صحبت اور امت کے احوال اور ضرورت کو دیکھ کر تبلیغ ودعوت کا جذبہ آپ کے دل ودماغ پر چھا گیا۔

اس کے فورا بعد دوسرا چلہ بھروچ اور اطراف میں لگا، چالیس دن کے اختتام پر رویدرا ضلع بھروچ میں ایک اجتماع کیا، ضلع بھروچ کے امیر حافظ محمد بخش صاحب کو مولانا کا طریقہ عمل اور حکمت وموعظت بھرا اسلوب بے حد پسند تھا، اس لئے کام کے سلسلہ میں اکثر وبیشتر مولانا سے مشورہ فرماتے اور بذریعہ خط آپ کا عندیہ معلوم کرتے، یہ حضرت مولانا کی کام سے دلی لگاؤ کے ساتھ ساتھ ایمانی فراست کی بھی بیّن دلیل ہے، سن ۱۹۶۶ء میں آپ کے چار ماہ حیدرآباد میں لگے، اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں سات ماہ کیلئے عراق وشام کا سفر ہوا، اور اسی سفر میں آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، پھر ۱۹۶۹ء میں ترکی، اردن، اور عراق کا انیس ماہ کا سفر ہوا، جس میں آپ کو دو مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۷۲ء میں ملیشیا، تھائی لینڈ، سنگاپور وغیرہ کا سفر حضرت جی مولانا انعام الحسن کے ساتھ ہوا، اور ۱۹۷۲ء ہی سے مع اہل خانہ مستقل قیام مرکز نظام الدین دھلی پر ہو گیا اور اس کے بعد تو تقاضے اور مشورہ کے مطابق عراق، کویت، سعودیہ، امارات، اردن، ترکی، انگلینڈ، امریکہ، بنگلہ دیش، پاکستان وغیرہ مختلف ملکوں کے سفر کا مبارک سلسلہ مستقل جاری ہو گیا، جو الحمدللہ تا ہنوز عافیت کے ساتھ جاری ہے، مولانا نے تبلیغی نقل وحرکت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہ کیا اس کام میں مشکلات پیش آتی تھی؟ فرمایا ہاں! مگر حضرت جی مولانا الیاس صاحب کے ملفوظات سے قلبی اطمینان حاصل ہو جاتا تھا اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کے مطالعہ سے کام میں بہت زیادہ تعاون اور حوصلہ ملتا تھا۔

مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دھلی کی درسی خدمات:

مولانا تبلیغ دین کے عظیم ومتبرک کام کے ساتھ ساتھ مرکز پر مستقل قیام کے ساتھ ساتھ آج تک تقریباً ۳۷ سال سے اشاعت علم اور درس وتدریس کی خدمت میں برابر مصروف رہیں، (فی الحال حضرت مرکز میں تشریف نہیں رکھتے) گویا آپ نے دور حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کی دوالہامی راہیں، مدرسہ اور تبلیغی جماعت دونوں کو اپنی خدمت کا میدان بنا کر، جامعیت اور فراست کا ثبوت پیش فرمایا اور عوام وخواص دونوں کو اپنی ذات سے یکساں مفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا کی زندگی کے بے شمار گوشے ایسے تھے جس کا ذکر امت کیلئے نافع اور طلبہ ودعات کیلئے مشعل راہ بن سکتے تھے، مگر محض تعارفی خاکہ پیش کرنے کی ہماری پابندی، مولانا کی اخفاء پسندی، اور سوانحی خاکہ سے فی الوقت قطع نظری کے پیش نظر اسی پر اکتفا کرتا ہوں، امکان ہی نہیں یقین ہے کہ مولانا کے متعلقین ومتوسلین کو اس تعارفی خاکہ کی کمی کا احساس ہوگا بلکہ بعضوں کو ادائیگی حق میں کمی کوتاہی کی شکایت بھی رہے گی مگر۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے   جو چبھے دل کو وہی تنکے لئے

یوسف عبداللہ دیولوی

صدر مدرس: مدرسہ تعلیم الاسلام دیولا

اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے

بیان نمبر :[۱]

کل ہند مشورہ

مؤرخہ ۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰؍مئی ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام سیلم ،صوبہ :تمل ناڈو

اقتباس

تین چیزیں سمجھانا نبی کے ذمہ ہوتا ہے،صحیح نیت ، صحیح عمل اور صحیح ترتیب۔آپ نے سمجھایا کہ صحیح نیت کیا؟ صحیح عمل کیا؟ صحیح ترتیب کیا؟ اس لئے اپنے پیش رو کو دیکھو کہ ان کی کیا ترتیب تھی۔ان کا کیا عمل تھا، حضرت ابن مسعودؓ اپنے آدمیوں کو یہ رہبری کرتے تھے کہ دیکھو!اگر تمہیں کوئی طریقہ اختیار کرنا ہے تو ان لوگوں کو طریقہ اختیار کرو جو پہلے گذر چکے ہیں،مَنْ كَانَ مُسْتَناً، فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ۔تم میں سے کوئی اگر طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا اختیار کرو جو تم سے پہلے گذر چکے۔کسی ایک زندہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے مت چلو۔ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ فِتْنَة۔اس لئے کہ زندہ آدمی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کل کس فتنہ میں پڑیگا۔آج کو کیا بویا اور نہ جانے کل کو کیا بوئیگا۔اس کا کوئی بھروسہ نہیں،آج کچھ کرے،کل کچھ کرے۔اس کی رائے بدل جائے،تو ان کو نہیں دیکھنا ہے۔بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا طریقہ کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰه فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَلّٰى اللّٰه تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً . اَمَّابَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلاَئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنتُمْ تُوعَدُوْنَ (٣٠) نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِىْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِىْ الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُونَ (٣١) نُزُلاً مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيْمٍ (٣٢) وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ(٣٣) (حم سجدہ)﴾

کامیابی کا دارومدار نیت پر ہے:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو! دین میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے آدمی کی نیت پر دارومدار ہے کہ اس کی کیا نیت ہے؟ کس نیت سے چل رہا ہے؟ کس نیت سے بول رہا ہے؟ کس نیت سے سن رہا ہے؟ یا پھر کوئی نیت ہی نہیں، دونوں باتیں ہوسکتی ہیں، نیت ہی نہیں اور عمل ہورہا ہے، نیت نہ ہو اور عمل ہو اس کو عادت کہتے ہیں

عادت کے مطابق عمل کر رہا ہے، یہ تو صرف عادت ہے کیوں کہ نیت کچھ نہیں، بولتا سنتا ہے اور نیت کے ساتھ کرتا ہے تو پھر عادت نہیں بلکہ عبادت ہوگی۔

انصارِ مدینہ نصرت کا اعلیٰ نمونہ ہیں:

یہ بات ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے دیکھا جائیگا کہ بندوں کے دلوں میں کیا ہے؟ کیا وہ نیت سے خالی تو نہیں ہے؟ اس لئے اپنے آپ کو پابند کرنا ہے۔اور صحیح نیت کے ساتھ بیٹھنا ہے، اللہ کے دین کی نصرت کرنی ہے، نصرت کا دروازہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھلا رکھا ہے، اگر ہم محنت کریں گے، ہم کام کریں کے جیسے انصار مدینہ نے کیا؟ نصرت کے اعلیٰ درجہ کا نمونہ، وہ انصارِ مدینہ کا ہے، اور وہ آخری نمونہ ہے، کیوں ؟ وہ اس لیے کہ انہوں نے اپنی نصرت کو ایثار کے ساتھ کیا۔ایثار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی حاجت بھی نہیں دیکھی ، اپنی ضرورت بھی نہیں دیکھی ،تکلیف بھی نہیں دیکھی۔جو کام آیا، جو تقاضا آیا، جو ذمہ داری آئی، اُسی کو دیکھا، اسے ایثار کہتے ہیں۔

ایثار کے تین درجے:

ایثار کے تین درجے ہوتے ہیں: ایک انصاف کا، ایک احسان کا اور ایک ایثار کا۔انصاف کا درجہ یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہ ہی دوسرے کے لیے پسند کرو۔جو اپنے لیے ناپسند کرو وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند ہو یعنی ایک پلّے میں اپنے آپ کو رکھو اور دوسرے پلّے میں دوسرے کو رکھو، برابری ہو، تاکہ حق تلفی نہ ہو، ظلم نہ ہو،

زیادتی نہ ہو، ایک تو یہ درجہ ہے انصاف کا کہ انصاف کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اُمِـرتُ لِاَعْـدِلَ بَیْـنَـکُمْ مجھے حکم ہے کہ تمہارے اندر انصاف کروں۔ انصاف سے رہنا بہت ضروری ہے تا کہ کسی کا حق نہ مَرے۔ تعاون کے لئے، مدد کے لئے یہ درجہ انصاف کا ہے اور یہ واجب ہے۔

نقصان کے بدلے میں احسان کرو:

اس سے اوپر کا دوسرا درجہ احسان کا ہے کہ احسان کرو۔ اپنے ایمان سے، اپنے مال سے، اپنی صلاحیت سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤ۔ دینی فائدہ و دنیوی فائدہ۔ اگر کوئی نقصان کرے تو بھی احسان کرو۔ کسی نے نقصان کیا تو بھی احسان کرو۔ یہ اخلاق کہلاتے ہیں اگر کسی نے نقصان کیا، گالی دی تو اس کے جواب میں احسان کرو۔ یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ ایذا پر صبر کرنا اور اپنی طرف سے احسان کرنا۔ شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے تھے کہ ﴿وَلَـنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَا آذَیْتُمُوْنَا﴾ (ابراہیم:۱۲) تمہاری ایذاؤں پر ہم ضرور صبر کریں گے، اور تمہیں راہِ راست بھی دکھاویں گے، اس کو کہتے ہیں احسان۔ یہ احسان کا درجہ ہے کہ میری جان سے، میرے مال سے، میری صلاحیت سے، میری فکر سے دوسروں کا فائدہ ہو جائے، دینی بھی دنیوی بھی۔ وقتی فائدہ بھی ہو اور دوامی فائدہ بھی ہو۔ وقتی فائدہ یہ کہ کوئی بھائی پریشان ہے اس کی پریشانی کو ختم کرنا۔

ایثار کا مطلب:

تیسرا درجہ ایثار کا ہوتا ہے، ایثار کا مطلب یہ ہے کہ اپنا نقصان برداشت کر کے، اپنی تکلیف برداشت کر کے دوسروں کا کام نکالنا، دوسروں کو فائدہ پہونچانا۔ بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلانا، پیاسا رہ کر پانی پلانا، تنگی میں رہ کر دوسروں کی مدد کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایثار تھا، اپنوں کے لئے بھی، اور دوسروں کے لئے بھی، وہ ہی سنت انصارِ مدینہ نے نصرت کے لئے اختیار کی تھی، ایثار والی صفت کے ساتھ نصرت کی۔ ہمارے دین میں دین کی نصرت ہے، کیوں کہ نصرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، ہجرت کا دروازہ بند ہے۔ ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی۔

دین کے لے مددگار بننا یہ بڑا کام ہے:

اپنے دین کے لیے مددگار بننا، یہ اللہ نے بندوں پر ذمہ داری ڈالی ہے ﴿یَـاَیُّهَـا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰه﴾ (سورة الصّف)، اے ایمان والو! تم سارے کے سارے اپنے دین کے مددگار بنو۔ یہ تمہارا کام ہے کہ دین کی مدد کرنا، تاکہ دین پر کوئی آنچ نہ آوے، اور دین کا کوئی نقصان نہ ہو، دین آگے بڑھتا رہے۔ نصرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس لیے دین کی مدد کرنا یہ بڑا کام ہے۔

نصرت سے دین کو حیات ملتی ہے:

نصرت کی بڑی اہمیت ہے، نصرت والی بات ہمارے ذہنوں سے ہی نکل گئی

ہے۔عبادت اور خدمت تو ہے لیکن نصرت نہیں ہے۔ دین کی محنت کی جتنی باتیں ہیں نصرت کے دائرے میں ہیں، چاہے مدرسہ ہو، تبلیغ ہو، دوسرے دینی کام ہو، یہ سب نصرت کے دائرے میں ہیں۔نصرت کی بڑی اہمیت ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا''لولا الهجرة لكنت اِمْرَأً مِنُ الاَنْصَار ''اگر ہجرت کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں بھی انصار ہی ہوتا۔ دین کے مددگاروں میں ہوتا جیسے انصارِ مدینہ ہیں،نصرت کی بڑی اہمیت ہے۔ آج نصرت کا مضمون اجنبی سا ہوگیا ہے، حالانکہ نصرتِ دین بڑی اہمیت رکھتی ہے، اورنصرت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے بنز رزمین کو پانی دینا۔زمین بنجر پڑی ہوئی ہے، سوکھا پن آگیا ہے، اس پر پانی پڑا، اوپر سے پانی برسایا زمین سے پانی پہونچا تو وہ آباد ہوگی، کام کی بنے گی۔ایسا ہی نصرت کا معاملہ ہے۔جیسے پانی سے زندگی کو حیات ملتی ہے، ایسے ہی نصرت سے دین کو حیات ملتی ہے۔

ایثار اعلیٰ درجہ ہے:

میں کہہ رہا تھا کہ انصارِ مدینہ نے دین کی جو خدمت کی ہے وہ ایثار کے ساتھ کی ہے، یہ اعلی درجہ ہے۔انہوں نے اپنی حاجتوں کو، اپنی ضرورتوں کو، اپنی راحتوں کو قربان کیا اور اپنے تعلقات کو بھی قربان کیا۔مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، صحابہ کے ان سے آپس میں تعلقات تھے۔چونکہ بنو نضیر بہت مالدار تھے، اور انصار مدینہ کھیتی اور کاروبار کرتے تھے، تو انکو مال کی ضرورت پڑتی تھی تو یہود سے قرض لیا کرتے تھے، اور ان سے رشتہ داریاں بھی تھیں۔لیکن جب دین آیا، اور

حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو آپ کی تشریف آوری پر حسد ہوا، یہ ان کی بیماری تھی۔حسد پیدا ہوتا ہے بڑائی سے، مال و مرتبہ سے بڑائی آتی ہے، پھر اس سے مرتبہ و بڑائی والا کوئی اور آجائے تو پھر حسد ہونے لگتا ہے کہ یہ کہاں آگیا؟

حق کے خاطر یہود سے مخالفت:

یہود کو حضور ﷺ سے حسد ہوا، انصار نے یہود کا یہ رویہ دیکھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا رویہ حسد کا ہے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اس آدمی کے ساتھ موت تک حسد کرنا ہے، اور اس کی مخالفت میں رہنا ہے۔تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ پہونچے تو یہود کے دو بڑے آدمی آئے اور صحابہؓ سے پوچھنے لگے کہ کیا یہ وہی ہے؟ تو کہا کہ جی ہاں! یہ وہی ہے۔تو انہوں نے مخالفت کا فیصلہ کرلیا اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ مخالفت میں رہتے تھے، حالانکہ وہ لوگ آپ ﷺ کو ایسا پہچانتے تھے جیسے آدمی اپنی اولاد کو پہنچانتا ہے، ان کو کوئی شک نہیں تھا، آپ کو دیکھتے ہی وہ پہنچان جاتے تھے کہ یہ آخری نبی ہے۔لیکن اپنی بڑائی میں، حسد میں ان کے دل کالے ہوگئے تھے، اور آپ ﷺ سے دشمنیاں مول لی تھی۔تو جب مدینہ کے انصار نے دیکھا کہ یہود کا رویہ حضور ﷺ کے ساتھ حسد کا ہے تو یہودیوں سے اپنے تعلقات توڑ دیئے کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں، ہمارے نبی کا تعلق اللہ سے ہے، اس لئے ہم حق کا ساتھ دیں گے، حالانکہ ان کے آپس میں معاہدے ہوتے تھے، ایک دوسرے کے حلیف تھے، دوست تھے، لیکن جب دین کا کا

م آیا، اور یہود کی مخالفت دیکھی تو ان سے اپنے تعلقات کو سمیٹ لیے، اب ہم دین پر ہیں اور حق کے ساتھ ہیں، حق ایک ہی ہوتا ہے، یہ ان کا ایثار تھا۔ یہودیوں سے ان کی رشتہ داریاں تھیں، لین دین کے تعلقات تھے، معاہدے تھے، لیکن جب حضور ﷺ دین لے کر آئے تو ان کا ساتھ دیا اور وفاداری دکھائی، اللہ کے دین کے ساتھ، دین کے کام کے ساتھ۔ حق کا ساتھ دیا، باطل کی مخالفت کی۔

اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ حق ہے:

اس لئے صحابہؓ کی زندگی میں جو نمونے ملتے ہیں وہ یہی ہے اور وہ حق ہے، اللہ کے نبی کا طریقہ حق ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے دین کی نصرت کرنا، نصرت اللہ کے دین کے ساتھ، رسول کے ساتھ، اور اللہ کے ساتھ اور اپنی وفاداری دکھانی ہے۔ کیوں کہ سارے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے: ﴿كُونُوا أَنصَارَ اللّٰه﴾ اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ اگر تم اللہ کے دین کے مددگار بنو گے، تو اللہ تمہارا مددگار بنے گا، یہ مشروط وعدہ ہے یعنی شرط کے ساتھ۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد:۷)﴾ کہ دین کے مددگار بنو یعنی اپنے آپ کو دین دار بناؤ، اپنا دین سیکھو، اپنا دین سمجھو۔ اور ایسا سیکھو کہ دوسروں کو سیکھا سکو، ایسا سمجھو کہ دوسروں کو سمجھا سکو اور اس پر قائم رہو اور دوسرے کو قائم کرسکو۔ یہ بڑا کام ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے نصرت کی ذمہ داری لی تھی تو ہر تقاضوں پر آگے آگے رہتے تھے۔ اللہ کے راستے میں آنا جانا تو ہوتا ہی تھا، یہ تو عام چیز تھی۔ اس کے علاوہ بھی

ہر تقاضے پر گھرے ہوئے تھے، خدمت بھی کرتے ہیں، کھلاتے پلاتے بھی ہیں، مالی مدد بھی کرتے ہیں، اوراس کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اپنی طاقت کے بقدر خرچ کرو:

جب مال کا تقاضا آتا تھا تو بھاری بھاری مال کی مقدار لا کر پیش کرتے تھے، ایک آدمی چھ سو من کھجور لے کر آیا تھا، یہ بڑے زمین دار لوگ تھے، ان لوگوں کے باغات تھے اور یہی ان کی پیداوار تھی تو اس آدمی نے چھ سو من کھجوریں مسجد نبوی لا کر ڈھیر لگا دی ،نصرت کی، تھوڑے مال والے تھوڑے میں سے، زیادہ والے زیادہ میں سے نصرت کرتے تھے، حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک کلو کھجور لے کر آئے اور کہا کہ یا رسول الله ﷺ میرے گھر کچھ بھی نہیں تھا، میں نے رات بھر مزدوری کی اور مزدوری کے بدلے میں مجھے جو کھجوریں ملی ہیں ان میں سے ایک کلو گھر والوں کے لیے چھوڑ کر آیا ہوں اور ایک کلو آپ کے تقاضے پر لے کر آیا ہوں۔ ایک آدمی کے پاس بہت پیسے ہیں، دو لاکھ روپے ہیں، لاکھ لیکر آتا ہے، اور دوسرے کے پاس دوسو روپے ہیں اس میں سے سو روپے لیکر آتا ہے، دونوں برابر ہے، دونوں نے آدھا لگایا، بلکہ یہ اُس لاکھ والے سے افضل ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو فرمایا کہ وہ صدقہ جو تنگی کی حالت میں کیا جائے۔ تنگی ہے، گھر میں کچھ ہے نہیں اِدھر اُدھر کر کے کچھ حاصل کیا پھر اس میں سے پیش کیا، یہ ہیں انصار۔ ایسی ہے ان کی نصرت، اس طرح وہ ہر تقاضے پر حاضر رہتے تھے، برداشت کرتے تھے، حضور ﷺ سے مہاجرین نے سوال کیا

کہ انصار کی یہ جو جماعت ساری فضیلت لے گئی، کیوں کہ یہ ہر کام میں آگے ہیں، میدانِ جہاد میں ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لہذا ان کے شہداء زیادہ ہوتے ہیں، ہماری تعداد کم ہوتی ہے، تو ہمارے شہداء بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ اہل وطن ہیں ان کی مالی خدمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بدنی خدمت بھی اور اخلاقی خدمت بھی ان ہی کی زیادہ تو گویا کہ ساری خیر اُن کے حصے میں چلی جاتی ہے۔ ہمارے حصے میں کیا رہے گا؟ کچھ بھی نہیں، کیوں کہ ان لوگوں کی جو پیداوار ہوتی ہے اس میں سے زیادہ حصہ تو ہم کو دیتے ہیں اور تھوڑا حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں، یہ لوگ آگے آگے رہتے ہیں؟

دنیا پیچھے جارہی ہے اور آخرت آگے آرہی ہے:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں معیار یہ تھا کہ دین میں کون کس سے آگے بڑھتا ہے۔ ہمارے جیسا نہیں کہ دنیا میں آگے بڑھنے کی بات ہو۔ ہم تو دنیا کے پیچھے بھاگے جارہے ہیں، حالانکہ دنیا پیچھے جارہی اور آخرت آگے آرہی ہے۔ اَلدُّنْیَا مُدْبِرَۃٌ وَالْآخِرَۃُ مُقْبِلَۃٌ" دنیا کی ترقی سوچ رہے ہیں اور دنیا خود پیچھے جارہی ہے۔ صحابہ کا معاملہ یہ تھا کہ ہمیشہ آخرت کی سوچتے تھے۔

کام کرنے والوں کی قدر کرو:

مہاجرین نے انصار کے بارے میں اللہ کے رسول سے یہ سوال کیا کہ یہ تو آگے ہوگئے ساری نیکی یہ ہی لے گئے، سارے وعدے ان ہی کو ملیں گے۔ سارا سب کچھ یہ ہی لوگ لے گئے، ہمارا کیا؟ کیا ہم ان کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے

فرمایا: ہاں کیوں نہیں؟ آپ ان کے برابر ہو سکتے ہو۔آپ نے ان کو راستہ بتایا برابر ہونے کا۔فرمایا کہ اس کا راستہ یہ ہے کہ تم ان کی قدر کرو، ان کی تعریف کرو۔ یہ نہیں کہ یہ آگے بڑھ رہے ہیں تو جلن ہو۔کام کرنے والوں کو اصول بتایا کہ جو کام کرے اس کی قدر کرو، اپنی قدر بڑھانے کی فکر مت کرو۔ایسا نہیں کہ اسی کا نام آتا ہے، ہمارا تو آتا ہی نہیں، یہی لوگ آگے رہتے ہیں، بلکہ یہ سوچیں کہ جو کام میں نہیں کرتا ہوں یہ کر رہا ہے۔ بلکہ ایک آدمی کام زیادہ کرتا ہے تو تم اس کی قدر کرو۔

دین کے کام میں وسعت:

اسی طرح جتنے لوگ دین کا کام کر رہے ہیں انکے بارے میں یہی اصول رہے گا، کیوں کہ جو کام میں نہیں کرسکتا ہوں اس کو یہ لوگ کر رہے ہیں، دین کے بہت سے کام ہوتے ہیں، دین کی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔تو ہم کو اس کام میں وسعت سکھائی ہے، تنگی نہیں۔ایسا نہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے، یہ بے کار ہے۔ بلکہ دین کی جتنی خدمتیں ہو رہی ہیں ان کی قدر کرو۔کیوں کہ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ہمیں کرنا پڑتا۔یہ تو ان کا احسان ہے کہ وہ کر رہے ہیں ورنہ ہمیں کرنا پڑتا۔ہمارا بوجھ انہوں نے اٹھا لیا ہے، یہ ذہن ہونا چاہیئے۔یہ نہیں کہ کوئی آگے بڑھتا ہے تو جلن ہوتی ہے۔یہ تو اس کے اخلاص کی کمی ہے۔

اخلاص کی علامت:

اگر ہمیں کوئی کام کرنے والا ملے، ساتھ دینے والا ملے، صلاحیت والا ملے تو

خوشی ہوکہ میں تو اکیلا تھا یہ اور آ گیا۔ایک ہی ہاتھ تھا دوسرا ہاتھ مل گیا۔ہمارے ایک بزرگ فرمارہے تھے کہ جو کام تو کررہا ہے،اسی کام کو کرنے والا دوسرا کوئی آجائے تو تجھ کو خوشی ہو کہ الحمدللہ! کام میرے اکیلے کے ذمہ تھا اللہ نے میرا معاون ومساعد دوسرا بھیج دیا۔اس بات کی خوشی ہو۔ایسا آدمی کام کو چاہتا ہے۔اور جو کام نہیں چاہتا اور دوسرا کوئی آتا ہے تو اسے تنگی محسوس ہوتی ہے کہ یہ کہاں آ گیا۔ہم کر ہی تو رہے تھے۔یہ غلط بات ہے۔اپنا مقام،اپنا درجہ،اپنی بڑائی،اپنی شہرت،یہ نصرت نہیں کہلاتی۔کوئی چیز نہ چاہے صرف یہ مقصود ہو کہ اللہ کا دین بلند ہو۔جس طرح انصار نے نصرت کی ہے اور کوئی چیز نہیں مانگی۔پہلے ہی دن سے،وہ ہی سبق ہمیں سیکھنا ہے کہ ہم تو کچھ نہیں چاہتے،ہم تو کام چاہتے ہیں کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے ہماری ذمہ داری پر دیا ہے وہ صحیح طریقہ پر چلے۔کوئی بھی آکر کرے وہ ہمارا ہے۔

دین کے سب کام ہمارے ہیں:

دنیا میں جتنے دین کے کام ہورہے ہیں وہ ہمارے ہی ہیں،ہم ان کے مددگار ہیں،ہم ان کے خیرخواہ ہیں،ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔چند سال پہلے میں ساؤتھ افریقہ گیا تھا،وہاں کا ماحول بہت اچھا ہے،ہرا بھرا ماحول ہے۔وہاں کے مسلمان دین دار بھی ہیں،مالدار بھی ہیں۔تواضع والے بھی ہیں،یہ ان کی خوبی ہے۔ اس لئے دنیا کے لوگ وہاں جاتے ہیں،تعاون طلب کرنے کے لئے، اپنی ضرورتوں کے لئے،اور وہ لوگ اس کو پورا بھی کرتے ہیں،مدد بھی کرتے ہیں،مختلف

جمیعتوں کے، مختلف جماعتوں کے لوگ وہاں جاتے ہیں۔ مختلف تقاضے والے لوگ جاتے ہیں۔ تو میں نے پرانے ساتھیوں سے کہا کہ تمہارا ملک تو ایسا ہرا بھرا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جب کوئی باغ ہرا بھرا ہو، تو لوگ آئیں گے، سیر کرنے کے لئے، تفریح کرنے کے لئے۔ تو جتنی جماعتیں آئیں گی وہ دینی جماعتیں ہوں گی۔ اس وقت تمہارا رویہ ان کے ساتھ کیا ہونا چاہئے؟ کیا یہ رویہ ہونا چاہئے کہ یہ تبلیغ والا نہیں اس لئے اس کو ٹال دو؟ نہیں! ایسا رویہ ہو جیسا ہمارے دین میں ہمارا عقیدہ ہے کہ جتنے نبی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجے ہیں سب برحق ہیں، ان تمام پر ہمارا ایمان ہے، اگر ایک نبی کے بارے میں بھی پھاٹ ہوگئی تو اس کا ایمان گیا۔ ایمان مفصل میں یہ ہے: "آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ" کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، گویا کہ جتنے اللہ کے رسول آئے ہیں، وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور وہ برحق ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور ہم ان کو سچا نبی مانتے ہیں۔ ہمارا کام کیا ہے کہ ہم سب نبیوں کو مانیں گے اور اتباع ہم اپنے نبی کی کریں گے۔ ایسے ہی تمام دینی کام کی قدر کرو اور ان کی مدد کرو اور اپنے کام کو مقصد بنا کر اس کے پیچھے چلو۔

دین میں اعتدال اور اجتماعیت:

یہ ایک اعتدال والا راستہ ہے، اجتماعیت والا راستہ ہے، اس سے جتنی دینی محنتیں ہو رہی ہیں اس کا آپس میں تعاون ہوگا۔ ہم ان کی قدر کریں گے وہ ہماری قدر

کریں گے۔یعنی وہ ہمارا ساتھ دیں گے ہم ان کا ساتھ دیں گے۔موقع پڑے گا تو ہم ان کی رکاوٹ کو دور کریں گے،وہ ہماری رکاوٹ دور کریں گے۔ہاں! یہ طریقہ ہے اجتماعیت کا ہے۔

دعاء دینے والا مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے:

حضور ﷺ نے مہاجرین کو یہ سبق پڑھایا کہ انصار کی قربانیاں زیادہ ہیں،تقاضے پورا کرنے میں وہ آگے ہیں،تو تم ان کی قدر کرو،اوران کی تعریف کرواوران کا احترام بھی کرو،ان کے حق میں دعائیں مانگو کہ اللہ انہیں اور ترقی دے،اللہ انہیں مزید قبولیت دے،اللہ اور مدد فرمائیں،ان کے لیے دعاء کریں،کیوں کہ دعاء دینے والا مخلص ہوتا ہے،ہمدرد ہوتا ہے۔جو مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے وہ ہی دعاء دیتا ہے۔ماں باپ اپنے اولاد کے لیے دعاء کرتے ہیں،ان کو ہمدردی ہوتی ہے،اس لئے وہ دعاء کرتے ہیں کیوں کہ وہ اولاد کی ترقی چاہتے ہیں،یہ اجتماعیت کے اصول کہلاتے ہیں۔دین کا جو بھی کام ہو رہا ہو،تھوڑا ہو یا زیادہ ہو،ہم اس کے مددگار رہیں۔

دین میں تعصب اور عصبیت نہیں ہے:

دین کے کام میں تعصب اور عصبیت نہیں ہے کہ یہی ایک کام ہے اور باقی سب بے کار ہے،یہ غلط ہے۔حدیث میں ہے کہ "انزلوا الناس منازلهم" ہر آدمی کو اس کے درجے پر رکھو۔اللہ نے لوگوں کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے،کہ وہ نکمے ہیں،کام کے نہیں ہیں۔ہر ایک کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے لیکن تم نہیں جانتے ہو کہ یہ کیا

کام کرے گا۔ کسی کو نکمہ نہیں بنایا ہے۔ ہاں ! یہ الگ بات ہے کہ کسی کو ماحول نہیں ملا اور وہ نکمہ ہو گیا۔

لوگوں کی صلاحیتوں کو دین پر لاؤ:

یہ ہماری فکر کرنے کی بات ہے کہ لوگوں کی صلاحیتوں کو پہچانیں اور ان کو دین پر لاویں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی صلاحیتوں کو دین پر لانا، ہم اس کام میں لوگوں کی صلاحیت کے محتاج ہیں ۔ہمیں لوگوں کی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض مرتبہ کوئی معاملہ مشورہ کا آجاتا تھا تو حضرت عمرؓ قریش کی بوڑھی عورتوں کو جمع کر کے پوچھتے تھے کہ میرے پاس ایک مسئلہ آیا ہے اس مسئلہ پر غور کر کے جواب دو۔ ایک عورت کی عدت کا مسئلہ پیچیدہ تھا،تو قریش کی بوڑھی عورتوں کو جمع کیا اور ان کو یہ مسئلہ دیا، اس مسئلہ کو وہ ہی حل کرسکتی تھیں، وہ مسئلہ ان ہی کو دیا، انہوں نے مسئلہ حل کر کے بتایا۔ مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ خوبی کی بات ہے کہ دعوت کے ذریعہ سے بندوں کی صلاحیت کو دین پر لگانا اور اپنے آپ کو اللہ کے بندوں کی صلاحیت کا محتاج سمجھنا۔ ہم کو آپ کی صلاحیت کی ضرورت ہے۔آپ کے مال کی ضرورت نہیں ہے۔

نبی نبوت کی محنت سے مال نہیں مانگتے:

نبوت کی محنت سے مال نہیں مانگا جاتا، نبی مال نہیں مانگتے ہیں کہ مال لاؤ۔ مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو تمہاری ذات کی ضرورت ہے۔ حضرت

مولانا یوسف صاحبؒ کے سامنے ایک آدمی آیا اور کہا کہ آپ کے یہاں لوگ آتے ہیں، جاتے ہیں، کھاتے ہیں، میرے پاس ایک رقم ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ رقم اس میں کام آوے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو آپ کی رقم کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو آپ کی ضرورت ہے، آپ آجاؤ۔ رقم اپنے پاس رہنے دو۔ اِن کو اُن کی ذات کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ کام کریں گے، نصرت میں یہ ہوتا کہ لوگوں کی صلاحیت سے کام لینا اور ان کی صلاحیتوں کو کام پر لگانا اور ان کو کام کا بنانا۔

دعوت کی مثال برستے پانی کے مانند ہے:

دعوت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی برس گیا زمین پر، بس اب زمین کی صلاحیت ظاہر ہوگی کہ زمین زعفران اگائیگی، غلہ اگائیگی۔ ایسے ہی جب اصولوں کے ساتھ دعوت کی محنت ہوگی تو ان کی صلاحیتیں کام پر آئیں گی۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام کریں گے۔ حضور ﷺ کی دعوت پر کیسے کیسے لوگ تیار ہوئے۔ کتنی صلاحیت والے، اس لیے نصرت میں یہ بھی ہے کہ صبر کر کے جم کر کے کام کرنا۔ انصار نے بہت صبر کیا، ان سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر تم نے اس نبی کا ساتھ دیا تو سارا عرب ایک طرف ہو جائے گا اور سب اپنے اپنے دلوں سے آپ کو نکال دیں گے، ان کے تیر ہوں گے اور تم نشانے پر ہوں گے۔ اس لئے سوچ لو کہ نبی کا ساتھ دینا ہے یا نہیں۔ یہ بات حضرت عباس ابن مطلبؓ نے کہی تھی۔

باطل میٹھا اور حق کڑوا ہوتا ہے:

حضرت عباس ابن مطلبؓ حضور ﷺ کے زمانے کے چودھری تھے، بہت سمجھدار تھے، تو جب انصار حضور ﷺ کو مدینہ لے جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس وقت انہوں نے کہا کہ سوچ لو یہ مسئلہ آسان نہیں ہے، کیوں کہ حق کی مخالفت کا ایک عام رواج ہے کہ جب کوئی چیز حق ثابت ہوئی تو اس کی مخالفت کرو۔ اور کوئی چیز باطل ہوگی تو اس پر لوگ مل جائیں گے۔ باطل میٹھا ہوتا ہے اور حق کڑوا ہوتا ہے۔ باطل کو اپنانے کے لیے سب تیار ہو جاتے ہے۔ لڑلڑ کے لیتے ہیں، کیوں کہ باطل قربانیوں سے نہیں لڑ جھگڑ کی ہی لیا جاتا ہیں۔ اور حق میں تو لڑنے کے اجازت ہی نہیں۔ قربانی کے ساتھ دو، قربانی کے ساتھ لو۔ جیسے صہیب رومیؓ مدینہ جانے لگے تو مکہ والوں نے ان کو روکا۔ نہیں جانے دیں گے، تم تو روم کے رہنے والے ہو، پیسے تم نے یہاں کمائے ہیں، یہاں کا مال لے کر مدینے جا رہے ہو ایسا نہیں ہوگا۔ تو انہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ حکم کی وجہ سے مجبور ہوں۔ حکم یہ ہے کہ ﴿كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾۔ اپنے ہاتھوں کو روکو، نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ ہمیں لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تمہاری مجال نہیں ہے کہ تم میرے پاس آؤ۔ میں تم میں سے ایک ایک کو ختم کردوں۔ میرے اندر اتنی طاقت ہے، اگر میری تلوار ٹوٹ جائے تو میں اپنے تیروں سے تمہیں چیروں گا، مگر چونکہ لڑنے کا حکم نہیں ہے، اس لئے میں تابع ہوں۔ رہا مال کا

مسئلہ تو وہ تم لے لو۔ تمہارے یہاں کمایا ہے، تم لے جاؤ۔ دنیا کا دستور ہے کہ ہماری کرنسی باہر نہیں جانی چاہیے۔ یہ آج سے نہیں، پہلے سے ہی چلا آ رہا ہے۔

باطل کا مقصود مال اور حق کا مطلوب آخرت:

باطل کا یہ ہی طریقہ ہے کہ وہ تو مال کو دیکھتے ہیں۔ یہ آج کے پڑھے لکھے لوگوں کی بات نہیں ہے، عرب کے جاہل لوگ بھی اس کو جانتے تھے کہ ہمارا مال ہے، تم نے نفع میں جو کمایا ہے وہ ہمارے یہاں کمایا ہے۔ مکہ آج بھی تجارت کا شہر ہے۔ ہاں! عبادت کا بھی شہر ہے اور تجارت کا بھی۔ تو حضرت صہیبؓ نے کہا کہ یہ مال تم لے لو۔ باطل کو کیا چاہیے ان کو تو صرف مال چاہیے اور حق والوں کو کیا چاہیے، حق والوں کو آخرت چاہیے۔ حق والوں کو اللہ کی رضا چاہیے، حق والوں کی نظر اوپر ہوتی ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور آخرت بن جائے۔ یہ حق والوں کا مزاج ہے، ہمیں یہ مزاج بنانا ہے کہ ہماری آخرت بنے، ہم اللہ کا کام کریں گے، نصرت کریں گے، مدد کریں گے تا کہ ہماری آخرت بنے اور دوسرا کچھ نہیں چاہیے۔ کوئی ہمیں پوچھے یا نہ پوچھے، ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کی دعوت:

صحابہؓ جب دنیا میں پھرتے تھے تو لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ ”اِنَّمَا عَزَائِمُنَا الآخِرَةُ وَلَيْسَتْ عَزَائِمُنَا الدُّنْيَا“ ہمارے عزائم صرف آخرت ہے۔ آخرت بنانا

یہی ہمارے عزائم، ارادے اور نیتیں ہیں۔اور حضور ﷺ سے آخرت کے بارے میں پوچھتے تھے۔تو آج بھی دین کی مدد کرنے والوں کا ھمّ وغم اور نصب العین آخرت بنانا ہوتا ہے۔اور اللہ کو راضی کرنا مقصود ہوتا ہے کہ بس وہ ہم سے راضی ہوجائے۔اللہ جس کا ہوگیا، اس کا سب کچھ ہوگیا، مَنْ كَانَ لِلّٰهِ ، كَانَ اللّٰهُ لَهُ ۔ جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے، یہ بات پکی ہے۔اس لئے حضرت صہیب رومیؓ نے کہا کہ مال تم لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔لڑنے جھگڑنے کی ہم کو اجازت نہیں، اس لئے ہم نہیں لڑیں گے، ہم نہیں ماریں گے۔چنانچہ مکہ والوں نے ان کے مال پر قبضہ کرلیا اور ان کی چھٹی کردی۔تو صہیبؓ نے ہجرت کو اختیار کیا اور سارا مال قربان کردیا۔

حکموں کے پورا ہونے میں کامیابی:

حضرت صہیبؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہونچے، قبا میں ملاقات ہوئی، یہ ہجرت کا راستہ ہے۔آج بھی مدینہ کے راستہ میں قبا آتا ہے۔آپ نے ملاقات پر یہ فرمایا" رَبِحَ الْبَيْعُ اَبَا يَحْيٰ " کہ ابو یحیٰ آپ اپنے سودے میں کامیاب ہوگئے۔مال گیا، وطن گیا لیکن دین آگیا، حکم کا تقاضا پورا ہوگیا، آپ اپنے سودے میں کامیاب ہوگئے۔انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں نے تو آپ کو خبر نہیں دی ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔یہ خبر آپ کو جبرئیل نے دی، کیوں کہ یہ حکم قبول ہوگیا ہے۔ان کی قربانی اوپر قبول ہوگئی، اس لئے یہاں ان کے لئے بشارت آرہی ہے۔پھر وہ فقیر

غریب نہیں رہے، بلکہ اللہ نے ان کو بہت دیا، اور وہ بہت خرچ کرتے تھے، لوگوں کو دیتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کو ٹوکا بھی کہ تم بہت خرچ کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا، جی ہاں امیر المؤمنین! یقیناً میں پیسے خرچ کرتا ہوں، لیکن امیر المؤمنین! میرا کوئی پیسہ ناپاک جگہ پر نہیں جاتا۔ میرا سارا خرچا حق پر ہے اور یہی اصول ہے کہ اپنی جان و مال کو حق پر لگاؤ۔

جان و مال کا بہترین استعمال اللہ کا دین:

جان و مال کا بہترین استعمال اللہ کا دین ہے کہ اپنا مال دین پر لگاؤ اور دوسرے نمبر میں اللہ کے بندوں پر احسان کرنے میں جان و مال لگاؤ، اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ یہ نصرت ہوئی کہ جان و مال دین پر لگایا اور احسان یہ ہے کہ لوگوں کی خدمت کی اور ان کی ضرورت پوری ہوئی۔ یہ دونوں چیزیں حضور ﷺ نے انصار کو سکھائی تھی اور انصار اس کے پابند تھے، لہذا ان کے نصرت کرنے کی وجہ سے حالات سازگار ہوئے، اس لئے صحابہؓ کی سیرت ہمارے سامنے رکھی گئی ہے کہ دین کی مدد کرنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ انصار کو مدد کرنے کی وجہ سے بہت دبنا پڑا۔ کیوں کہ چاروں طرف فضاء خراب ہے۔ انصار اس دباؤ کو برداشت کرتے تھے۔ ان کو حضرت عباس ابن مطلبؓ نے پہلے سے ہی کہہ دیا تھا کہ سارا عرب ایک طرف ہوگا، ان کے تیر ہوں گے اور تم نشانہ ہوں گے، بولو تیار ہو اس کے لیے، تو انصار نے جواب دیا تھا ہاں تیار ہیں۔ بلکہ

ہم حضور ﷺ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسے تم اپنی لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہو۔ جیسے تم کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہو، ایسے ہم نبی کی حفاظت کریں گے۔ اور پھر ان سے پوچھا کہ آگے کچھ کہنا ہے؟ کہنا ہے تو کہو۔

نصرت کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہے:

میرے بھائیو! پوری امت پر یہ ایک ذمہ داری ہے۔ کھیل تماشا نہیں، یہ جھگڑا نہیں، یہ تو نصرت کا مسئلہ ہے۔ ہم اپنی جان و مال سے اللہ کے دین کے مددگار بنیں، یہ حکم ہے: ﴿کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾ اے مسلمانو! تم سارے کہ سارے دین کے مددگار بن جاؤ۔ اس لئے نصرت کا یہ دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رکھا ہے۔ اصول کے ساتھ، ترتیب کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ انصار نے ایسا ہی کیا۔ ترتیب انہوں نے نہیں بنائی بلکہ اللہ اور رسول کی ترتیب تھی کہ اس ترتیب سے کرو۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جماعت کو اللہ کے راستہ کے لیے تیار کیا۔ رات کا وقت تھا ، انہوں نے کہا کہ رات کو آرام کر لیتے ہیں، صبح میں چلے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! ابھی ہی نکل جاؤ، اللہ کے راستے میں آرام کرنا۔ جنت کے باغوں میں آرام کرنا۔ آرام کی اجازت نہیں دی۔ یہ نبی کی ترتیب تھی۔

صحیح نیت، صحیح عمل، صحیح ترتیب:

تین چیزیں سمجھانا نبی کے ذمہ ہوتا ہے، صحیح نیت، صحیح عمل اور صحیح ترتیب۔ آپ

نے سمجھایا کہ صحیح نیت کیا؟ صحیح عمل کیا؟ صحیح ترتیب کیا؟ اس لئے اپنے پیش روکو دیکھنا پڑتا ہے کہ ان کی کیا ترتیب تھی۔ان کا کیا عمل تھا، یہ سب دیکھنا پڑتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ اپنے آدمیوں کو یہ رہبری کرتے تھے کہ دیکھو! اگر تمہیں کوئی طریقہ اختیار کرنا ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرو جو پہلے گذر چکے ہیں، مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا، فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ۔ تم میں سے کوئی اگر طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا اختیار کرو جو تم سے پہلے گذر چکے۔انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ کیا ترتیب تھی؟ اسے اختیار کرو۔کسی ایک زندہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے مت چلو۔کیوں! فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ فِتْنَة ۔اس لئے کہ زندہ آدمی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کل کس فتنہ میں پڑیگا۔آج کو کیا بویا اور نہ جانے کل کو کیا بوئیگا۔اس کا کوئی بھروسہ نہیں ،آج کچھ کرے،کل کچھ کرے۔اس کی رائے بدل جائے ،تو ان کو نہیں دیکھنا ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا طریقہ کیا ہے؟۔

وہ عمل مقبول ہوگا جو خالص اللہ کے لیے ہو:

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ نیت سمجھانا یہ نبیوں کا کام ہے۔حضور ﷺ نیت سمجھاتے تھے کہ ہر آدمی کی نیت کیا ہو؟ ہر آدمی کی نیت یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے۔میں اپنا جان و مال اور صلاحیت اس لئے لگاؤں گا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے۔اس لئے لوگ پوچھتے تھے آپ سے،ایک آدمی اللہ کے راستہ میں جارہا ہے،اس کے دل میں دوسری کوئی نیت ہے کہ یہ بھی کرلوں اور وہ بھی کرلوں،اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ ایسے لوگوں کو یہ عمل بھاری پڑ گیا۔ پھر دوبارہ پوچھا تو یہ ہی جواب دیا، پھر پوچھا تو آخر میں فرمایا کہ اللہ تو اس عمل کو قبول کرے گا جو خالص اللہ کے لیے اور اس کے دین کو بلند اور سرسبز کرنے کے لئے کیا ہو۔

نفسانیت سے دین کا کام بگڑتا ہے:

میرے دوستو! دین کے کام کو سب سے زیادہ بگاڑنے والی بات کیا ہوگی؟ فرمایا وہ آدمی کی نفسانیت ہوگی۔ نفسانیت سے دین کا سارا کام بگڑ جائے گا، جیسے زم زم کا ڈرم بھرا ہوا تھا اور کتے نے منھ ڈال دیا، متبرک پانی ہے، کتے نے منھ ڈال دیا، تو کیا کھو گے؟ کہ وہ تو ناپاک ہوگیا۔ ایسے ہی آدمی کی نفسانیت سے دین کا کام خراب ہو جائے گا۔، دین کے کام میں آدمی کا سب سے بڑا دشمن اس کا اپنا نفس ہوتا ہے۔ سب سے بڑا دشمن وہ جو تمہارے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے دین کی محنت کرنی ہے لیکن اس نہج سے کرنی ہے کہ ہمارے دین کو نقصان نہ ہو۔ اپنے آپ سے پوچھے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ اگر اللہ اور آخرت مقصود ہے تو بہت مبارک۔ ابوھریرہؓ نے ایک مرتبہ اپنے لوگوں سے پوچھا کہ میرے سوال کا جواب دو۔ سکھانے کے لیے، ایک آدمی ایسا ہے کہ ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور جنت میں چلا گیا؟ انہوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نماز بھی نہیں پڑی اور جنت میں چلا جائے؟ جب لوگوں سے جواب نہیں بن پڑا تو آپ نے ایک انصاری کا نام لیا کہ وہ فلاں ہے کہ وہ کیسے؟ احد کے میدان میں ایک طرف حضور ﷺ اور آپ کے ساتھی اور دوسری طرف ابوسفیان کی

فوج تھی۔اس کے قبیلے کے کچھ لوگ حضور ﷺ کے صحابی تھے،آپ کے ساتھ تھے۔ جب کہ یہ آدمی ابھی تک ایمان نہیں لایا تھا۔اس نے سوچا ان سے کون لڑے؟اس کے قبیلے والے احد کے میدان میں،حضور ﷺ کے ساتھ تھے،چنانچہ اس نے اپنے طور سے کلمہ پڑھ لیا اور اپنے عزیزوں کے ساتھ میدان میں ان کے ساتھ پہونچ گیا، صبح میں یہ قصہ پیش آیا کہ میدان میں تھوڑی دیر کے بعد وہ شہید ہو گیا۔اس کی جان میں تھوڑی سی رمق باقی تھی تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو فلاں ہے، یہ تو مسلمان بھی نہیں ہے،ایمان بھی نہیں لایا تھا، یہ کہاں سے آ گیا؟ابھی وہ ہوش میں تھا تو اس سے پوچھا کہ اپنی قوم کی مدد میں آئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ نہیں! میں اپنی قوم کی مدد میں نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو اللہ کے دین کی مدد کے لیے تھا۔

قومیت وعلاقائیت یہ باطل کے راستے ہیں:

قومیت اور علاقائیت وغیرہ یہ سب تو باطل کے راستے ہیں۔اپنی قوم ،اپنا علاقہ،اپنی زبان،اپنا رنگ،کالے،گورے دنیا میں یہ سارے علاقے باطل کے کہلاتے ہیں۔چنانچہ انہوں نے کہا میں اپنی قوم کی مدد کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی مدد کے لیے آیا تھا اور اتنے میں ان کی جان چلی گئی۔صرف یہ مقصود ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ میرا دین ہے۔چنانچہ اس نے کہا کہ میں قوم کی حمایت میں نہیں،اللہ کے دین کی مدد کے لئے آیا ہوں اور اس کی جان نکل گئی،ابھی ابھی صبح میں ایمان لایا تھا،ابھی کسی نماز کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔مسیّب اس کا نام تھا۔نماز پڑھی نہیں اور شہید ہو کر جنت میں چلا

گیا۔اس لئے آدمی اپنے دین کونفسانیت سے بچائے،نفسانیت یعنی یہ میری قوم ہے، میرا علاقہ ہے، بلکہ نسبت خداوندی ہو۔نسبت کی بنیاد پر حضور ﷺ نے سارے علاقے کاٹ دیئے۔انصار مدینہ نے یہ سب علاقے کاٹ دیئے کہ سوائے اللہ ورسول کے ہمارا کوئی علاقہ نہیں،کوئی قوم نہیں۔اس لئے انصار اللہ سے جڑے اور اللہ ان کے ساتھ جڑے۔ایک تو اللہ کا کام ہے اور ایک اللہ کا رسول ہے اور یہ اس کا دین ہے۔تعلقات کی وجہ سے فتنے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ دنیا میں چلتا ہے۔

اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بنو:

فرمایا کہ جانور جب ذبح ہوتا ہے تو جب تک اس کی چار رگیں اللہ کے نام پر کٹ نہ جائے وہ پاک نہیں ہوتا ہے۔دو بڑی دو چھوٹی ہوتی ہیں،بِسْمِ اللّٰہِ ،اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر یہ کٹ جائے تو پاک ہوجاتا ہے،نہیں تو وہ جانور پیر ہلاتا رہتا ہے اور ایسے جانور کے پاس کوئی بھی نہیں جاسکے گا۔اسی طرح جتنے علاقے ہیں وہ کٹنے چاہئے کہ ہم کسی علاقے کے نہیں ہیں،کسی وطن کے نہیں ہیں،کسی قوم کے نہیں ہیں۔ہم تو اللہ کے ہیں،حضور ﷺ لوگوں سے فرماتے تھے کہ ’’کُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا‘‘ اللہ تعالیٰ کے بندے بنو اور آپس میں بھائی بھائی بنو۔کوئی بھی ہو کہے میں اللہ کا بندہ ہوں اور یہ میرا دینی بھائی ہے۔

سوئے ہوئے فتنوں کو نہ جگاؤ:

اس لئے میرے بھائیو! علاقائیت،قومیت اور وطنیت وغیرہ سے اپنے آپ کو بچانا ہے،اگر اس میں کسی ایک کو بھی کھڑا کیا تو فتنہ ہوگا۔حدیث میں ہے،حضور ﷺ

نے فرمایا کہ ملعون ہے وہ آدمی ، لعنت ہے اس آدمی پر جو سوئے ہوئے فتنہ کو جگائے۔ بہت سخت بات فرمائی۔فتنوں کے زمانے میں کام نہیں ہوتا کہ۔ سَتَكُونُ فِتْنَة ،القَاعِدُ خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ ،القَائِمُ خَيْرٌ مِنْ المَاشِی وَالْمَاشِی فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِی '' کہ فتنوں کے زمانہ میں جو کام لے کر بیٹھ جائے وہ بہتر ہے اس سے جو کھڑا ہو، اور ایک آدمی کھڑا ہے فتنہ کے زمانہ میں ، کہ یہ بہتر ہے دوڑنے والوں سے ، اس لئے اپنی بات پر سکوت کے ساتھ قائم رہو۔

دین اللہ کی بڑی امانت ہے:

یہ دین اللہ کی امانت ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بڑی امانت ہے، اتنی بڑی امانت ہے کہ پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہے۔ زمین وآسمان بھی اس کو نہیں اٹھا سکے۔ وہ تو ڈر گئے۔ انسان نے دین کی امانت کو اٹھایا۔ اسی وجہ سے انسان اللہ کے نزدیک قابل قدر ہے، کیوں کہ اس نے دین کی امانت کو اٹھایا۔ آدم علیہ السلام پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دین کی امانت کو اٹھایا، اللہ کی خلافت لی اور اللہ کے دین کو لیا۔ اور اللہ کے دین کو چلایا۔ اللہ نے ان کو اس مبارک کام کے لیے چنا تھا، ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ﴾ تو اپنے دین کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو چنتے ہیں۔ چھانٹتے ہیں، ہم کو اور آپ کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہم کو دین کے لیے چھانٹا۔ ہم کو توفیق دی، رہبری کی ، حالات ایسے بنائے کہ ہم کام پر چل رہے ہیں، حالات بن رہے ہیں اور ہم کام کر رہے ہیں اور کام لے کر جا رہے ہیں۔

دین کی شکرگذاری استقامت ہے:

اس لئے ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہئے ،اوراس کا شکر کیا ہے؟اس کا شکر استقامت ہے۔سب سے بڑا پہلو اللہ کے دین کے کام کا یہ ہے کہ بندہ شکر گذار بنے اوراس میں استقامت آوے۔اپنے دین پراستقامت اور پابندی سے کام کرنے والا اللہ کا شاکر بندہ بنے۔نوح علیہ السلام کی صفت بتائی کہ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا﴾ وہ تو شکر گذار بندے تھے۔اتنے پابند کہ ساڑھے نوسو سال تک محنت کی ،ساڑھے نوسو دن یا چلے نہیں ،ساڑھے نوسو سال دین کی محنت کی ۔چنانچہ فرمایا کہ نوح تو ہمارا شکر گذار بندہ ہے۔سال سال بھر روزہ بھی رکھتے تھے۔

دعوت اور عبادت میں فرق نہ کرو:

حدیثوں میں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام سال بھر روزہ رکھتے تھے۔انبیاء کرام علیہم السلام اپنی دعوت اور محنت کے ساتھ عبادت بھی کرتے تھے۔ان کے پاس جہالت کی بات نہیں کہ دعوت اور عبادت میں فرق کریں۔وہ تو دعوت اور عبادت کو جمع کرتے تھے جیسے اذان اور نماز ہوتی ہے۔اذان دعوت ہے،نماز عبادت ہے، کس کو چھوڑو گے اور کس کو رکھو گے؟ تو دعوت ،تبلیغ ،اللہ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ، ان کو اللہ سے ملانا ،یہ سب پابندی کے ساتھ کرتے تھے، پھر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

دعوت تو عبادت کے لئے ہیں:

نبی ﷺ کی سیرت میں لکھا ہے کہ دین کی محنت بھی خوب کرتے تھے اور اللہ کی عبادت بھی خوب کرتے تھے۔ کیوں کہ دعوت عبادت کے لئے ، دعوت دعوت کے لئے نہیں ہوتی ، وہ تو عبادت کے لئے ہے۔ کیوں کہ اللہ نے بندوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے ہمیں انسان میں عبادت کی صلاحیت پیدا کرنی ہے۔ ان کی عبادتیں صحیح ہو جائیں۔ ان کا ایمان صحیح بنے ، ان کے اعمال صحیح بنیں۔ ان کے اخلاق صحیح بنیں ، ان کی نیتیں صحیح بنیں ، یہ سب مل کر کے عبادت ہے۔ ارکان بھی ادا کر رہے ہوں ، فرائض بھی ادا کر رہے ہوں ، سنتیں بھی ادا کر رہے ہوں ، حرام سے بھی اپنے آپ کو بچا رہے ہوں ، حقوق بھی ادا کر رہے ہوں۔ یہ سب مل کر کے عبادت والی زندگی بنتی ہے۔ اور دین کی مدد بھی کرتے تھے۔ اس کے لئے ہے دعوت۔ اسی کے لئے یہ محنت دی گئی ہے۔

دین کی محنت اصولوں کے ساتھ کرو:

دین کی محنت کے اصول بتائے گئے ہیں ، اس محنت کو ایسے اصولوں کے ساتھ کرو کہ دین زندہ ہو جائے۔ اس کی بنیاد کیا ہے؟ ایک تو اللہ کے ایک ہونے کا یقین ، اللہ کے دین کے حق ہونے کا یقین ہو کہ دین حق ہے ، اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے جو بتایا وہ دین حق ہے۔ صحابہؓ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ حق ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے آپ کو حق کا تابع کرنا ہے۔ تابعداری میں حالات آتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں کیا

کرنا ہے، فرمایا کہ اپنی طاقت کے مطابق حالات کو برداشت کرنا ہے۔ حالت کی وجہ سے کام کو نہ چھوڑیں بلکہ اگر کوئی حال پیدا ہو تو پوچھو کہ اب میں کیا کروں؟ میرا یہ حال ہو گیا ہے۔ پوچھ کر چلو اور مان کر چلو تا کہ آسان ہو جائے، جیسے کسی کو راستہ معلوم نہیں ہے تو سڑک پر پوچھتا رہتا ہے لوگوں سے کہ ریلوے اسٹیشن کہاں ہے؟ ڈاکخانہ کہاں ہے؟ تو اس کو بتانے والے ملتے ہیں؟

ہر بات کو اس کے جاننے والوں سے پوچھو:

حدیثوں میں ہے کہ کام کے دوران حالات آتے ہیں، حالات کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا ہے۔ حیرانی میں پڑنے کے بجائے اپنے آپ کو پوچھنے پر ڈالو، مشورہ کرو، معلوم کرو۔ شریعت کا مسئلہ ہے تو علماء سے پوچھو۔ تبلیغ کا مسئلہ ہے تو تبلیغ کے ذمہ داروں سے پوچھو۔ بیماری کا مسئلہ ہے تو بیماری جاننے والوں سے پوچھو۔ یہ سکھایا گیا ہے کہ بیماری کا مسئلہ ہے تو کس سے پوچھیں؟ مسجد کے امام صاحب سے؟ نہیں! ڈاکٹر سے پوچھو۔ شادی کا مسئلہ ہے تو اپنے خاندان کے ذمہ داروں سے پوچھو۔ یہ حکم ہے۔ دین وشریعت کا معاملہ ہے تو علماء سے پوچھو، مفتی حضرات سے پوچھو کہ حلال ہے یا حرام ہے؟ جائز ہے ناجائز ہے؟، کتنا صحیح ہے اور کتنا غلط ہے؟ یہ سب باتیں ان سے پوچھو۔ علماء سے پوچھو۔ ساری لائنیں صحیح ہو جائیں گی۔ ''اِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَال'' ہماری پریشانیوں کا علاج سوال ہے۔ کہ اِس کا کیا کروں، اُس کا کیاں کروں؟ فوراً جواب مل جائے گا۔ حضرت علیؓ حضور ﷺ کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ میری کلائی ٹوٹ

گئی۔ دوٹکڑے ہوگئے۔حضور نے فرمایا کہ پٹکا باندھ لو، اوراس پر مسح کرلو۔ یہ اس لئے پوچھا تھا کہ وضوء کیسے کریں گے؟ تو کیا جواب ملا ہڈی جوڑلو، پٹکا لگالواور وضوء کے وقت مسح کرلو۔آسانی ہوگئی، ورنہ ہاتھ یوں لے کر پھرتے اور نماز بھی نہ پڑھتے۔

اعلیٰ درجہ کی نفسانیت:

دین کا یہ طریقہ ہے کہ مشورہ کرو، رائے معلوم کرو،کس سے پوچھیں ؟تو فرمایااس سے جواس کے اہل ہوں۔ جواس کے اہل نہیں ہیں ان سے مت پوچھو۔وہ کیا جواب دیں گے؟ علاج کا مسئلہ ہےتو حکیم سے پوچھو، وہ اس کا اہل ہے۔اس کے لائق ہے۔دین کے معاملہ میں اس کے ذمہ داروں سے پوچھو۔تبلیغ کے بارے میں، تبلیغ کے ذمہ داروں سے پوچھو۔شریعت کی بات ہےتو علماء سے پوچھو۔یہ سلامتی کا راستہ ہے۔بات بگڑے گی نہیں اورعمل خراب نہیں ہوگا۔کیوں کہ دین امانت ہے اس کو خراب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اور یہ خراب ہوتا ہے جہالت سے ،نفسانیت سے،خودغرضی سے،دین کونقصان کرنے والی سب سے خطرناک بات، انسان کی اپنی نفسانیت ہے۔اور یہ نفسانیت دو چیزوں میں ہوتی ہے۔اپنی بڑائی کی خواہش ہوتی ہے۔کبھی مالدار بننے کی خواہش ہوتی ہے۔دین کواپنے مال کا ذریعہ بنایا،دین کواپنی بڑائی کا ذریعہ بنایا۔یہ اعلیٰ درجہ کی نفسانیت۔حدیثوں میں ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں،کتنا نقصان کریں گے؟ کہ وہ تو بہت نقصان کریں گے۔ان کی بھوک بہت تیز ہوتی ہے۔ہڈی بھی اندر گل جاتی

ہے۔اس سے زیادہ نقصان بڑائی اور مال سے ہوتا ہے۔بڑا بننا ہے، مالدار بننا ہے۔ یہ نفسانیت کے دو بڑے عنصر ہیں۔مال کی چاہت،لذت کی چاہت ،شہرت کی چاہت، یہ سب نفسانیت کہلاتی ہے۔

اللہ کا دین پاک ہے:

اللہ نے اپنے دین کو پاک بنایا ہے، اس کو کوئی ملوث نہ کرے۔کس سے؟ کہ نفسانیت سے۔ بلکہ اللہ کا شکرادا کریں کہ اللہ نے مجھے دین دار بنایا۔ کہے اے اللہ تو نے مجھے دین دار بنایا۔تو اس کا شکرادا کریں اور دوسروں کو بھی دیندار بنائیں اور دوسرے کی بھلائی چاہیں۔ کیوں کہ دین کی روح دوسروں کی بھلائی چاہنا ہے۔اس کا بھی بھلا ہو جائے ،اُس کا بھی بھلا ہو جائے ،دوسروں کا بھی بھلا ہو۔

ذمہ داری کو پورا کرنے کا نام عمل ہے:

دوسروں کا فائدہ چاہنا کہ یہ دوزخ میں نہ جائے یہ جنت میں جانے والا بن جائے۔اس کو اخلاق کہتے ہیں۔صحابۂ کرام جب دنیا میں پھرے ہیں تو تین چیزوں کی بنیاد پر پھرے ہیں ،ایک ان کا ایمان ویقین کہ وہ غیر متزلزل تھا۔بہت قوی تھا، اپنے یقین کی وجہ سے حالات سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔یعنی ایک تو اپنی محنتوں سے، اور قربانیوں سے اپنا یقین بنایا۔اللہ کی ذات پر ان کو پورا یقین تھا۔دوسرے اپنے اعمال کی طاقت ،جس عمل کا ان کو حکم دیا تھا، وہ شریعت وسنت کے مطابق ہے تو اپنے

آپ کو اس کا پابند بنانا۔عبادت میں بھی، رہن سہن میں ، کھانے کمانے میں بھی، تجارت زراعت میں بھی، سفر وحضر میں ۔اپنے عمل کے پابند تھے۔ذمہ داری کو پورا کرنے کا نام عمل ہے۔نماز کا حکم آیا کہ نماز قائم کرو۔نماز پڑھنا یہ بڑا عمل ہے۔اس لئے عمل کے پابند بنو۔

اخلاق عبادت کا پھل ہے:

تیسری بات ان کی زندگیوں میں تھی وہ دنیا والوں کے ساتھ اچھے اخلاق، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ ۔گھر والوں کے ساتھ۔عبادت جب صحیح ہوتی ہے تو اخلاق بنتے ہیں۔عبادت میں ضعف ہوتا ہے تو اخلاق بگڑتے ہیں، اس لئے اپنی عبادتوں کو صحیح بناؤ۔نماز ،روزہ ،حج ،تلاوت ،ذکر، دعا۔ یہ سب جب صحیح ہوں گے تو اخلاق بنیں گے کیوں کہ اخلاق عبادت کا پھل ہے۔عبادت جتنی صحیح ہوگی، اتنا آدمی کے اندر اللہ کا ڈر آئے گا۔تواضع آویگی۔سخاوت آئیگی۔عبادت میں کمزوری ہے تو اس میں بھی بگاڑ آئیگا۔اس لئے انہوں نے اپنی عبادت کو خوب جاندار بنایا۔

اعمال صالحہ کے پابند بنو:

صحابہ اعمال کے پابند بنے ،چاہے وہ اعمال اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں یا بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہو۔جیسے ہم اللہ کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتے، ایسے ہی دوسروں کے ساتھ بھی دھوکا نہیں کریں گے۔دوسروں کی بھی بھلائی چاہنا۔یہ

ہی بنیادیں تھیں جن کی وجہ سے باطل ان سے چھوٹ گیا۔ باطل ختم ہوگیا اور حق اوپر آ گیا۔ دین کی دعوت ان تینوں چیزوں پر مشتمل ہے۔

حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوتی ہے:

ایمان ویقین، اعمال اور اخلاق۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِی مِنَ الْمُسْلِمِیْن ﴾ (حم سجدہ:۳۳) اس آیت نے تینوں چیزوں کو بیان کردیا۔ ایمان، یقین اور اعمال صالحہ اور اخلاق۔ یعنی تواضع ساتھ کہتا ہو کہ میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب کوئی آدمی حق پر رہے گا اور حق پر چلنا چاہے گا تو بہت ناگواریاں اس کے سامنے آئیں گی۔ کبھی اپنے نفس کی طرف سے آئیں گی۔ کبھی ایسا ہوگا کہ نفس تو مانتا ہے لیکن ماحول ساتھ نہ دے گا اور اسی طرح مختلف طریقوں سے ناگواریاں آئے گی۔ فرمایا کہ حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوتی ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے اللہ کی طرف سے کہ حق پر چلنے والوں کے لیے ناگواریاں آئیں گی، اس سے کوئی بھی نہ گھبرائیں۔

دشواری کے ساتھ آسانیاں آتی ہیں:

اس لئے اپنی طاقت کے مطابق برداشت کرو۔ حدیث میں آتا ہے:" علیکم ماتطیقون" جتنی طاقت تمہارے اندر ہے اتنا اپنے اوپر کام کو لازم کرلو۔ یہ جو دشواریاں آئی ہیں، دھیرے دھیرے ختم ہوجائیں گی۔ آئیں گی بھی دھیرے دھیرے اور دور ہو جائے گی دھیرے دھیرے۔ ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ،اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴾ گھبراؤ نہیں

دشواری کے ساتھ آسانیاں آرہی ہیں۔ یہ بھی حکم ہے کہ جلدی مت کرو کہ ابھی ہی ہوجائے۔ حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے تھے کہ حالات بدلنے والے ہیں مگر تم جلدی کررہے ہو۔ جلدی مت کرو، حالات بدلنے والے ہیں۔ یہ دشواریوں کے حالات بدلیں گے اور آسانیوں کے حالات آئیں گے۔ آپ ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اللہ سے امیدوار رہو، اللہ حالات کو بدلنے والا ہے۔ ”اَبْشِرُوْا وَامِّلُوا مَاعَمِلْتُمْ“ بشارتیں لو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ اللہ سے آسانیوں کی امید رکھنا یہ بڑی عبادت ہے۔ یاد رکھو کہ بڑی عبادت کیا؟ سب سے بڑی عبادت اللہ سے امیدوار رہنا ہے۔ ناامید نہ ہو۔ کام نہ چھوڑو۔ گھبراؤ نہیں۔ انتظار کرو کہ اللہ کی جانب سے آسانی آنے والی ہے، کیوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو کام ہم ان کے لئے کریں گے آسانیاں لائیں گے۔

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ،اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾

حق کی انتہاء کامیابیوں سے ہوتی ہے:

اسلام کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی اور انتہاء کامیابیوں سے ہوگی۔ اگر باطل کا راستہ اختیار کیا تو ابتداء خواہشوں سے ہوگی ،شہوتوں سے ہوگی اور آخرت میں ناکامیاں ملے گی۔ چنانچہ باطل والے اسی طرح ختم ہوجاتے ہیں۔ قارون ،فرعون سب ختم ہوگئے۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ حاصل ہوگیا بس ختم۔ یہ ترتیب ہے اللہ کی۔

اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرو:

حق والوں کے ساتھ الگ ترتیب ہے اور باطل والوں کے ساتھ الگ ترتیب

ہے۔اس لئے اللہ سے مانگو۔حدیث میں کہ ''اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ'' اللہ سے مدد مانگو۔جب کبھی تجھے مدد کی ضرورت پڑے تو اپنے اللہ سے مانگ اور اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا۔''اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ'' اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرو، اللہ تمہارے حقوق کی حفاظت کریگا۔مدد چاہتے ہیں تو اللہ سے مانگو اور کسی سے نہ مانگو۔اس لئے ہم اللہ سے مانگنے والے اور اللہ کے حقوق وحدود کی حفاظت کرنے والے بنیں۔اللہ ہمارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ہماری حفاظت کرے گا۔ ہماری ضروریات کو پورا کرے گا۔حالات صرف دین سے بدلتے ہیں ،دنیا کی کوئی طاقت حالت نہیں بدل سکتی۔حکومت ہو، دولت ہو، مالداری ،عہدہ ہو۔ کوئی طاقت حالات نہیں بدل سکتی۔اسی کے قصے قرآن میں سنائے ہیں کہ حکومت والا ہلاک ہوا، دولت والا ہلاک ہوا۔تجارت والا ہلاک ہوا۔دنیا کے لیے اسباب چلتے رہیں گے ،لیکن ان سے حالات نہیں بدلیں گے۔حالات صرف ان کے دین سے بدلیں گے۔

اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک کرلو:

فرمایا کہ: مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ'' جو اپنا اور اللہ کا معاملہ ٹھیک کرلیں گے تو اللہ اس کا اور مخلوق معاملہ ٹھیک کردیں گے۔اس لئے اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھو۔معاملہ خراب نہ کرو۔اسے ٹھیک رکھو۔کوتاہی نہ کرو اور اگر کوتاہی ہوگئ، غلطی ہوگئ تو اللہ سے معافی مانگو۔اللہ سے توبہ کرو۔استغفار کرو، پھر اللہ

خوش ہوں گےاور خوش کردیں گے۔حدیث میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اِسْتَغْفَرُوْا ’’اے اللہ مجھ کوایسا بنادے کہ مجھ سے غلطی ہو جائے تو میں استغفار کروں، اور مجھ سے نیکی ہو جائے تو خوش ہو جاؤں، الحمد للہ نیکی ہوگئ کہ خوش ہو جائیں، اللہ کا شکرادا کریں، اور اگر غلطی ہوگئ ہے تو اپنی غلطی پر اڑے نہیں، اپنی غلطی پر اڑنے والامحروم ہوتا ہے۔

تکبرحق سے محرومی کا سبب ہے:

نوح علیہ السلام اپنی قوم سے بہت پریشان ہوگئے، کیوں کہ ان میں دو برائیاں تھیں، ایک اصرار یعنی اپنی غلطیوں پر اڑے رہنا کہ کسی کی بات سننا ہی نہیں، ماننا ہی نہیں، اور دوسرا ان کے اندر بڑائی تھی، اس لئے حق کو قبول نہیں کیا۔نوح علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی شکایت کردی کہ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ ﴿وَاِنِّی كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَلَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِی آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوْا اِسْتِكْبَارًا﴾ (نوح:۷) کہ جب جب میں نے ان کو دعوت دی کہ ان کی مغفرت ہو جائے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگے، انہوں نے اصرار کیا اور بہت زیادہ تکبر کیا۔لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے، ان کے اندر بڑائی ہے اور بڑائی کہ وجہ سے اچھی بات کو قبول نہیں کرتے، بڑائی کہ وجہ سے حق قبول نہیں ہوتا۔ان میں بیماریاں تھیں کہ ایک اپنے اندر کی بڑائی اور اپنی بات پر اڑے رہنا۔اس لئے وہ حق سے محروم بھی ہوئے اور عذاب

میں بھی پڑے۔نوح علیہ السلام ان سے بہت پریشان ہوئے اور اللہ سے شکایت کردی۔ یہ بات اس لئے بتائی جاتی ہے کہ دین کا کام کرنے والے اپنی کسی بات پر، اپنی کسی رائے پر اڑے نہ رہیں، جو حق ہے اسے قبول کرلو۔حق ایک ہی ہے۔لیکن یہ لوگ حق چھوڑ کر باطل کو اختیار کر رہے ہیں۔

اللہ کا دین اللہ کی امانت ہے:

میرے بھائیو! اللہ کا دین اللہ کی امانت ہے، یہ امانت صحیح سلامت بچا کر اللہ کو پہنچانی ہے۔کیوں کہ ہر آدمی سے روزِ قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔اللہ کو یقین والا ، اخلاص والا دین دکھانا ہے۔جیسا دین ہوگا ایسا مرتبہ ہوگا۔اس لئے اپنی محنت کو عمدہ اور بہتر بنانا ہے۔اپنی طاقت کے مطابق محنت کرنا ہے اور اللہ سے اس کی قبولیت کی دعا مانگنا ہے کہ اے اللہ تو اس کو قبول فرمالیں، اگر اللہ قبول فرمالے گا تو پھر اس کی حفاظت ہوگی۔جس چیز کو اللہ قبول کرلیں گے، اس کو چلائیں گے۔کتنے ہی حالات ان پر آجائیں وہ جمے رہیں گے۔کیوں کہ یہ قبول ہوگئے۔

اللہ سے اپنے عمل کو قبول کرالو:

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا اور قبولیت کی دعا مانگی،''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا '' دعاء قبول ہوگئی کہ اب اس گھر کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا۔اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے لی۔اس لئے اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔یہ نبیوں کی سنت

ہے کہ محنت کر کے اسے اللہ سے قبول کروانا ہے۔کوتاہیوں کی معافی کے ساتھ، اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی ہے پھر عمل کو قبول کروالیں۔ پھر وہ اللہ کی حفاظت میں ہے، پھر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دین کا کام صبر اور ثواب کا کام ہے:

صبر واستقامت کے ساتھ کام کرنا ہے۔ یہ کام فخر کرنے، بڑائی دکھانے، طاقت دکھانے کا کام نہیں ہے۔صبر کے ساتھ اور ثواب کی امید کے ساتھ کام کرو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے۔آمین۔

دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو

بیان نمبر [۲]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۳۰؍ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹؍دسمبر ۲۰۱۶ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام پٹنہ، صوبہ : بھار

اقتباس

استقامت ملکوتی صفت ہے اس لئے ہمیں استقامت کی دعوت ہے کہ ہم استقامت کے ساتھ رہیں، یہ بڑی چیز ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پابند کرلے۔ پابند ہونا فرشتوں کی صفت ہے کہ جس کام کا انہیں حکم ملا ہے، بس! اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ملکوتی صفت ہے۔ روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ زمین وآسمان کے پیدا ہونے کے بعد سے اللہ کے سامنے سجدہ میں ہے وہ قیامت تک سجدہ میں رہے گا۔ اور وہ جب سر اٹھائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ! مجھ سے تیرا حق ادا نہیں ہوا، بس ایک بات یہ ہے میں نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہے۔ اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرو۔ جس عمل پر بھی قدم رکھو، خیال رکھو کہ چھوٹے نہیں، ناغہ نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''یا عبدَاللّٰہِ! لَا تَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ ثُمَّ تَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ'' اے عبداللہ فلاں جیسا مت بنو، کیوں؟ کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس عمل کو چھوڑ دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً . اَمَّابَعْدُ

دین کی سمجھ حاصل ہونے کی علامت:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو! حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کریگا اس کو دین کی سمجھ دے گا، 'مَنْ یُرِیْدِاللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنَ ' دین کی سمجھ کی کیا نشانی ہے؟ دین کی سمجھ ملی ہے اس کی کیا علامت ہے؟ دین کی سمجھ ملنے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں آخرت کی فکر کرے اور اس کے لئے عمل کرے۔ یہ دین کی سمجھ کی نشانی ہے۔ وہ اپنے عمل سے آخرت کما رہا ہے، اپنی فکر سے، اپنی محنت سے یہ دین کی سمجھ کی علامت اور یہ ہے سمجھ والا۔ اس کو کہتے ہیں تفقہ فی الدین۔

فقیہ اور سفیہ:

اگر کوئی آدمی اپنے عمل سے آخرت نہیں کما رہا ہے تو یہ فقیہ نہیں بلکہ سفیہ ہے،

نادان ہے کہ جو چیز باقی رہنے والی ہے اسے کھو رہا ہے، اور جو کھونے والی ہے اس کے پیچھے پھر رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کریں گے، اس کو دین کی سمجھ دیں گے۔ دین کی سمجھ کے ملنے کی اور بھی بہت سی علامتیں ہیں مگر یہ خاص علامت ہے کہ اپنی زندگی آخرت والی بنا وے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب دنیا والوں کے پاس جاتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ ہمارے عزائم تو آخرت بنانے کے ہیں، ''اِنَّمَا ھِمَمُنَا الآخِرَۃ'' کہ ہمارے عزائم تو آخرت بنانے کے ہیں۔

سب سے بڑا مرض آدمی کی نفسانیت ہے:

یہی بات اصل ہے کہ آدمی کی آخرت بنے، اور آخرت بننے کے لئے دین کی سمجھ ہے۔ آخرت کی رکاوٹ اور آخرت کے کاموں کو بگاڑنے کے لئے سب سے بڑا مرض آدمی کی نفسانیت ہے۔ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ آدمی کی نفسانیت اس کی آخرت کو تباہ کرے گی، کیوں کہ آدمی کا نفس اپنا حصہ ضرور بناتا ہے۔

نفس کی مثال کتے اور سانپ کی سی ہے:

نفس کی مثال کتے کی سی ہے اور سانپ جیسی ہے۔ کتا کھانے پینے کی چیزوں کو سونگھے گا اور پھر منہ ڈالے گا۔ اب جب کتے نے منہ ڈال دیا بات ختم، وہ چیز ناپاک ہوگئی۔ اب وہ چیز کام کی نہیں رہی۔ اب تین مرتبہ برتن کو دھوؤ اور پاک کرو، کیوں کہ کتے کے لعاب سے وہ سب ناپاک ہوگئے۔ ایسے ہی آدمی کی دین داری میں، اس کی نماز میں، نفس اپنا حصہ ڈالتا ہے، پھر نفسانیت پیدا ہوتی ہے۔

دین پھیلانے کے بڑے اعمال:

دین پھیلانے کے تین بڑے بڑے اعمال ہیں،حدیثوں میں اس کا ذکر ہے۔ایک قربانی ،اللہ کے راستہ میں اپنی جان قربان کرنا،ایک سخاوت،یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنااورایک علم ۔عالم،سخی اورشہیدان تینوں کا حدیثوں میں ذکر ہے۔عالم اپناعلم پھیلا رہاہے،قرآن کی خدمت کرر ہاہے۔اسی طرح شہید کہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان لگا رہاہے۔اورایک مال والا ہے کہ اپنے مال کواللہ کے راستہ میں لگارہاہے۔تبلیغ کے یہ تین بڑے بڑے کام ہیں۔

دین کوفاسد کرنے والی چیزیں:

باوجوداس کی اہمیت کے یہ تینوں آدمی برباد ہوئے، ہلاک ہوئے، کیوں ہلاک ہوئے؟ وہ اپنی نفسانیت کی وجہ سے ہلاک ہوئے کیوں کہ انہوں نے یہ عمل اس لئے کیا کہ لوگ مجھے سخی کہیں، لوگ مجھے شہید کہیں،لوگ مجھے عالم قاری کہیں، یہ سب نفسانیت کی علامتیں ہیں۔کوئی بھی غرض جس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو،آخرت مقصود نہ ہو یہ دین کو فاسد کرنے والی ہے۔یہ سب سے بڑی اور مہلک چیز ہے۔نفسانیت آ گئی کہ یہ آدمی کے دین کو ہلاک کرنے والی ، برباد کرنے والی ہے۔اس لئے نفسانیت کے مقابلہ میں اخلاص کی تعلیم دی ہے،لہذا اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔اللہ کا بن کر رہیں،نفس کا بن کر نہ رہیں۔اللہ کا بننے کے لئے اللہ کے

رسول ﷺ کے طریقوں پر عمل کریں، اپنی من چاہی پر عمل نہ کریں۔ جو بات اللہ رب العزت کی طرف سے حق ہے اس کے پابند بن جائیں۔

اخلاص پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر نیک صحبت ہے:

اچھی صحبت میں رہیں، جیسے صحابہؓ کو حضور ﷺ کی صحبت ملی، جس کا کوئی بدل ہی نہیں ہے۔ صحابی ہونا یہ سب سے بڑا خطاب ہے، اس وقت حاجی، قاضی کوئی خطاب نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے حضور کی صحبت پائی تھی۔ نیک صحبت آدمی کو قیمتی بناتی ہے۔ اخلاص پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر نیک صحبت ہے کہ اللہ والوں سے تعلق ہو جاوے، دین والوں سے تعلق پیدا ہو جاوے، جن کی عقیدت، جن کی محبت اللہ کے لئے ہو۔ بڑوں کے ساتھ بڑا بننے کے لئے نہیں بلکہ بڑوں کے ساتھ بندہ بننے کے لئے رہنا ہو۔ بڑوں کے ساتھ اس لئے رہنا ہے تاکہ بندہ بنے۔ اللہ کے حقوق اور بندوں کو حقوق کی پابندی کے لئے بڑوں کے ساتھ رہنا ہے۔ نفسانیت کو ختم کرنے کے لئے یہ مؤثر عمل ہے۔

دوسرا مؤثر عمل:

نفسانیت سے نکلنے کے لئے دوسرا مؤثر عمل یہ ہے کہ اپنی جان و مال کو اللہ کے حکموں پر لگاوے اور اپنے آپ کو اس کا پابند بناوے۔ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو لگائے رکھو، اخلاص بھی آتا رہے گا۔ اپنے آپ کو

دین پر، دین کی صحیح ترتیب پر لگائے رکھو اور اپنے آپ کو پابند بناؤ۔ پابند بناؤ گے تو اخلاص بھی آتا رہے گا، فضائل تبلیغ کی ساتویں فصل ہے، جس میں یہ رہبری فرمائی ہے کہ اللہ والوں سے ملتے رہو۔ ان کی صحبت میں حاضری دیا کرو، ان کی خدمت میں جایا کرو، یہ ہمارے لیے رہبری ہے۔ جب آدمی بڑوں کے پاس جائے گا تو اس کی بڑائی ختم ہو جائے گی۔ ایک دیوار پر ایک بڑی لکیر کھینچو، چھوٹی بڑی کچھ پتہ نہیں چلے گا، لیکن اسی کے اوپر اس سے بڑی لکیر کھینچو تو اب کیا ہوگا کہ وہ پہلے والی لکیر چھوٹی ہو جائے گی۔ اس کے بغیر چھوٹے بڑے کا امتیاز نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ مشورہ دیا تھا کہ بڑوں کے پاس بیٹھو، اللہ والوں کے ساتھ بیٹھا کرو، تا کہ تمہیں اپنا چھوٹا پن معلوم ہو۔ کیوں کہ یہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، انہوں نے اپنا جان، مال لگا رکھا ہے، اللہ کو راضی کر رکھا ہے، اللہ سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ لہذا ان کی صحبت اختیار کرو، تا کہ اپنے اندر چھوٹائی آوے۔

اللہ سے لینے کے بہت راستے ہیں:

اخلاص پیدا کرنے کی دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آپ کو عمل کا پابند کرو، دعوت کے بھی پابند، عبادت کے بھی پابند، علم کے بھی پابند، خدمت کے بھی پابند، دعاؤں کے بھی پابند، ذکر کے بھی پابند، اللہ سے لینے کے بہت راستے ہیں، روزی دینے کے بھی اللہ نے بہت راستے دے رکھے ہیں، بہت سارے راستوں سے بندوں کو روزی دیتا ہے، کسی کو کسی راستہ سے، کسی کو کسی راستہ سے، سب کو الگ الگ راستوں سے

روزی دیتا ہے، روزی دینے کے بھی بہت راستے ہیں، ماں تو صرف دودھ پلا سکتی ہے اور کچھ نہیں کرسکتی، اور اللہ کے پاس تو روزی دینے کے بہت سارے راستے ہیں، اسی طرح اللہ تک پہونچنے کے بھی بہت راستے ہیں، یہ سب ملاکر پورا ایک دین بنا ہے لہذا اس کے پابند بنو۔ اس کی پابندی سے خلوص کی مایا ملے گی۔

قابلیت تو کام میں جمنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے:

اس لئے مولانا یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کام میں لگے رہو، اخلاص بھی آتا رہے گا۔ پہلے دن اخلاص نہیں ہوتا، دوسرے دن اخلاص نہیں ہوتا۔ قابلیت تو کام میں جمنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی آدمی کھلاڑی ہو تو وہ دو چار دن میں کھلاڑی نہیں بنا ہوتا۔ وہ تو کھیلتے کھیلتے کھلاڑی ہوگیا۔ گاتے گاتے گویّا ہوگیا۔ اس کی پابندی اس پر اثر کرتی ہے۔ ایسے ہی دین کی پابندی اس پر اثر کرے گی اور وہ دین دار ہوجائے گا۔ اس لئے حضرت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو پابند کرو۔ کوئی عمل چھوٹنے نہ پائے، ہر عمل کا الگ الگ اثر ہوتا ہے، جیسے کھانا پکتا ہے تو نمک کا اثر الگ ہوتا ہے، مسالے کا اثر الگ ہوتا ہے، تیل کا الگ ہوتا ہے، نیچے سے جو آگ جلتی اس کا اثر الگ ہوتا ہے، اوپر سے جو پانی ڈالا ہے اس کا اثر الگ ہوتا ہے۔ ان تمام اثرات کے مجموعے سے پکوان بنتا ہے، ہر چیز اس میں مناسب ہوتی ہے، تو وہ پکوان لذیذ ہوتا ہے، مرغوب اور پسندیدہ ہوگا۔ خریدار خریدے گا، مہمان کو کھلاؤ تو وہ بھی خوش ہوجائے گا، خود بھی کھاکر خوش ہوجائے گا کہ بہت اچھا ہے، کیوں؟ کیوں کہ اس میں مختلف اثرات پڑے ہیں۔

دین اعمال کے مجموعے کا نام ہے:

مولانا الیاس صاحبؒ یہ فرماتے تھے کہ دین یہ اعمال کے مجموعے کا نام ہے، ایک عمل کا نام دین نہیں، وہ دین کا ایک عمل ہے، جیسے آدمی بہت سارے اعضاء کے مجموعے کا نام ہے، وہ انسان ہے اپنی روح کے ساتھ۔ باقی سب بدن کے حصے ہیں، حصہ یہ انسان نہیں بلکہ بدن کا ایک حصہ ہے، ایسے ہی نماز یہ پورا دین نہیں بلکہ دین کا ایک حصہ ہے۔ زکوۃ ایک جزء ہے۔ ایسے ہی ہر عمل دین کا ایک جزء ہے۔ اللہ نے جو دین اتارا ہے وہ کامل ہے، اس میں بہت سارے اعمال ہیں۔ پھولہار اور گلدستہ کی طرح سے مختلف پھولوں کے مجموعے کا نام ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دین اعمال کے مجموعے کا نام ہے۔

پورے دین کی محنت کرنی ہے:

دین کے ہر عمل کا ایک اثر ہے، ایمان کا اثر الگ ، عبادات کا اثر الگ ہے۔ معاشرت بنائی، لوگوں کے ساتھ رہن سہن اچھا بنایا تو اس کا اثر الگ ہے۔ لین دین اچھا بنایا اس کا اثر الگ ہے۔ اخلاق بنائے، صبر، شکر، درگذر یہ سب اخلاق کہلاتے ہیں۔ یہ بنائے تو ان کا اثر الگ۔ اس لئے پورے دین کی محنت ہوتی ہے۔ پورے دین کی دعوت ہوتی ہے، پورے دین کی تعلیم ہوتی ہے۔ پورے دین کی فکر ہوتی ہے۔ کسی ایک جز سے نہیں، پورا دین مقصود ہے، اگر پورا دین زندگی میں آیا تو جزء اس میں آہی جائے گا۔ مختلف اثرات حاصل ہوتے ہیں، نماز کا اثر الگ، نماز آ گئی

تو اس نے کیا اثر پیدا کیا، فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ، نماز نور ہے۔ اپنی زندگی کو نماز سے نورانی بناؤ، نماز کیا ہے؟ ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرْ﴾ کہ نماز برائیوں سے روکنے والی ہے۔ نماز کیا ہے؟ روزی کی برکت کھینچے والی ہے۔ پتہ نہیں اس کے کتنے اثرات ہوں گے۔ ایسے ہی ہر عمل ہے۔ اس لئے پورے دین کی دعوت، پورے دین پر استقامت ہو۔

دین کے حق ہونے کا یقین ہو:

پورے دین کے حق ہونے کا یقین ہو کہ ہمارا دین حق ہے، ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ سے جو دین ملا وہ حق ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کو اللہ پسند کریں گے، باقی کسی دین کو قبول نہیں کریں گے، ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْإِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِیْ الْآخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْن﴾ (آل عمران:۸۴) کہ اس دین کے علاوہ کوئی اور دین لے کر آئے گا ہم ہرگز اس کو قبول نہیں کریں گے، اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والا ہوگا۔

استقامت ملکوتی صفت ہے:

اس لئے ہمیں استقامت کی دعوت ہے کہ ہم استقامت کے ساتھ رہیں، یہ بڑی چیز ہے کہ اپنے آپ کو پابند کرلیا۔ فرشتوں کی صفت ہے پابند ہونا، جس کام کا انہیں حکم ملا ہے، بس! اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ملکوتی صفت ہے۔ روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ زمین وآسمان کے پیدا ہونے کے بعد سے اللہ کے سامنے سجدہ میں ہے وہ قیامت

تک سجدہ میں رہے گا۔ اور وہ جب سر اٹھائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ! مجھ سے تیرا حق ادا نہیں ہوا۔ بس ایک بات یہ ہے میں نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہے۔ اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرو۔ جس عمل پر بھی قدم رکھا، جہاں تک ہو سکے چھوٹے نہیں، ناغہ نہ ہو، اور چھوڑ نا تو جائز ہی نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''یا عبدَاللّٰہِ! لَا تَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ ثُمَّ تَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ '' اے عبداللہ فلاں جیسا مت بنو، کیوں کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس عمل کو چھوڑ دیا۔

عمل کو ترک کرنا بھی ایک طرح کا اعراض ہے:

عمل شروع کرنے کے بعد چھوڑ نا نہیں ہے، کیوں کہ عمل کو چھوڑ دینا ایک طرح کا اعراض ہے، یعنی منہ موڑ نا ہے۔ اللہ نے اپنے راستہ میں چلایا تھا، نیک کاموں میں چلایا تھا، اب چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ یہ اعراض کہلاتا ہے، چاہے دل سے اعراض نہ ہو لیکن عمل سے اعراض ہے۔ عملی اعراض ہے کہ اللہ سے منہ موڑ لیا۔ اس لئے بزرگوں نے ہدایت دی ہے کہ اپنے معمولات کو مت چھوڑو۔ اگر چھوٹ جائے تو اللہ سے استغفار کریں کہ یا اللہ میری تلاوت چھوٹ گئی، میرا گشت چھوٹ گیا۔ آج فلاں کام مجھ سے نہیں ہوا، میں توبہ کرتا ہوں۔ میں استغفار کرتا ہوں اور اب ارادہ کرتا ہوں کہ اب نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے وہ فرض نہ ہو تو بھی اللہ سے اپنا ربط ایسا رکھیں، تا کہ اعراض کسی صورت میں نہ پیدا ہو۔ کیوں کہ آپ نے منع فرمایا کہ فلاں جیسے مت بنو کہ رات کو عبادت کرتا تھا اور پھر اس کو چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

عبدیت اللہ کو بہت پسند ہے:

عمل سے کسی صورت میں اعراض نہ کریں، بلکہ جو حق بات اور حق کام اللہ کی طرف سے ملا ہے اور جس پر قدم اٹھایا ہے، اب اس کو اخیر تک لے جانا ہے، اس کو استقامت کہتے ہیں، ﴿فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ مسلمون یعنی اطاعت کرنے والے..فرمایا: خبردار! تمہاری موت اس حالت میں آوے کہ تم اللہ کی بات مانتے مانتے مرجاؤ، اس کو عبدیت کہتے ہیں یعنی بندہ بننا، اللہ کو یہ صفت بہت پسند ہے کہ بندہ بندہ بنے۔ اللہ کو یہ بات نا پسند ہے کہ بندہ بڑا بنے، یہ بالکل پسند نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی فطرت نیچے جانے کی ہے، اوپر جانے کی نہیں ہے، کیوں کہ اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مٹی میں عروج نہیں ہوتا۔ وہ تو نیچے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ کو بندہ کی خاکساری پسند ہے۔ میں تو مٹی سے پیدا ہوا ہوں، میں خاک سے پیدا ہوا ہوں، اللہ نے مجھے مٹی سے پیدا کیا ہے، اس لئے میرے بھائیو! اپنے اندر مٹی پنہ لاؤ۔ آگ کی طرح اوپر مت جا۔ آگ اوپر جاتی ہے اور پھر بجھ جاتی ہے۔ کیوں کہ اللہ کو یہ پسند ہی نہیں ہے کہ کوئی سر کو اٹھائے، بلکہ یہ پسند ہے کہ سر کو جھکاوے۔ اللہ کے سامنے سر جھکانا یہ بڑی بات ہے، جو عمل شریعت وسنت کے مطابق ہے اسمیں تو اپنے کو پابند بنانا۔ پابند ہونا یہ بندہ ہونے کی شان ہے۔ اسی سے درجے قائم ہوں گے۔

نبوت کے درجے آپ پر بند ہو گیا:

نبوت اب کسی کو ملے گی نہیں! اللہ تعالیٰ نے نبوت کو حضور ﷺ پر ختم

کر دیا ہے۔اس کے بعد بہت سارے درجے ہیں، صدیقیت کا درجہ، شہداء کا درجہ ہے، صالحین کا درجہ ہے، یہ سب درجے ہیں، ان چیزوں کا میدان کھلا ہوا ہے۔ یہ میدان بند نہیں ہوا۔لہذا آگے بڑھو تو درجے پاؤ گے۔ حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ جیسا ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ دوسرے صحابہ خلفاء راشدین سے محبت کرتے تھے اور ان کے جیسا بننا چاہتے تھے۔کیوں کہ نبوت کے بعد کے درجات کھلے ہوئے ہیں ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا﴾ ہر ایک کے ساتھ ان کے عمل کے حساب سے درجات قائم ہوں گے۔اس لئے آگے بڑھنے اور پابند ہونے کی دعوت دی ہے، نبی کو بھی پابند ہونے کا حکم دیا ہے، اے نبی آپ پابند رہیے، کیسی اور کتنی؟ کہ جیسا حکم دیا ایسی پابندی۔ ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ جیسا حکم کیا گیا ہے ایسی پابندی کیجئے، اس لئے آپ پر یہ بات بہت بھاری تھی۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا کر دیا۔اس امر کا اتنا بوجھ پڑا کہ بڑھاپا آ گیا۔ کسی صحابی نے کہا کہ آپ کے بالوں میں سفیدی آ گئی ،تو فرمایا: ہاں! مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ پابندی کے بغیر اثر نہیں ہوتا۔اس کی تاثیر تب ظاہر ہو گی جب اپنے آپ کو اس کا پابند کریں۔ سالہا سال گذر جائیں اور عمل نہ چھوٹے، چالیس برس گذر گئے کہ تکبیر اولیٰ نہیں چھوٹی۔

ضرورتیں پوری نہ ہوئیں تو نقصان ہوگا:

اپنے دین پر جمنا یہ تو ہمارا اصلی کام ہے۔ باقی سب تو ہماری ضرورتیں ہیں،

ضرورتیں تو جانوروں کے ساتھ بھی ہیں، ضرورتوں کا انکار نہیں ہے۔ضرورتوں کو پوری کرو، اگر ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی تو نقصان ہوگا۔ضرورت یہ لفظ ''ضرر'' سے ہے جس کے معنی ہوتا ہے نقصان ۔ اگر ضرورت پوری نہیں ہوئی تو نقصان ہوگا۔آدمی کھانا نہیں کھائے گا تو مرجائے گا، اس لئے کھانا کھانا ضروری ہے، بلاوجہ بھوکے رہنے کی اجازت نہیں ، کیوں؟ کیوں کہ بلاضرورت بھوکا رہا اور کمزور ہوگیا تو پھر کمزوری کی وجہ سے اللہ کے فرائض ادا نہیں کرسکے گا، یہ ضرورتیں کہلاتی ہیں۔جو مقصد میں مدد دے اس کو ضرورت کہتے ہیں۔جیسے ضروری کھانا پینا، ضروری کمانا، شادی کرنا، یہ سب ضرروتیں ہیں، یہ مقصد میں مدد کرے گی، منفی طور پر بھی اور مثبت طور پر بھی، بعض ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہ گناہوں سے بچائیں گی، جیسے نکاح کرنا یہ زنا سے بچائے گا، اس لئے نکاح کا حکم دیا کہ نکاح کرو، حرام میں نہ پڑو۔جس نے نکاح کیا اس کا آدھا ایمان سلامت ہوگیا۔باقی آدھے کی فکر کریں۔

ضرورت کس کو کہتے ہیں:

ضرورتیں اس کو کہتے ہیں جو مقصد میں مددگار ہو۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب پیدا کیئے ہیں، یہ ضروری ہیں۔جیسے سحری کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے۔کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں انہیں دن میں کام کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ یہ طریقہ جاری کروایا کہ سحری کھاؤ، سحری کھانا یہ تو نبیوں کی سنت ہے۔سحری سے روزے میں قوت حاصل کرو۔جلدی سوکر تہجد میں اٹھنے کے لئے قوت حاصل کرو۔یہ ہدایتیں ہیں۔

ضرورتوں کو دینی طریقہ پر پورا کرنا بھی دین ہے:

اللہ تعالیٰ ہماری ضرورتوں کو ہم سے زیادہ جانتا ہے، اس لئے ضرورتوں سے منع نہیں کیا بلکہ ضرورتوں کے پورا کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ اسطرح کھاؤ، اس طرح پیو، اسطرح شادی کرو، سفر کی ضرورت ہے تو سفر کے آداب اور احکام ہیں، جو اپنے ضرورتوں کو دینی طریقے سے پورا کرے گا اس کی ضرورتیں بھی دین بن جائیگی۔ کھانا، پینا، کمانا سب دین بن جائے گا۔ اصل کام کیا ہے کہ اپنے دین پر جمنا ہے، اس میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اس لئے یہ ضرورتیں پوری کرنی ہے۔ اسطرح ضرورت دین ہو جائے گی۔

مقصد میں مستعمل وسائل بھی دین ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے، عنایت اور مدد ہے کہ ضرورتوں کو بھی دین بنا دیا۔ ''للوسائل حکم المقاصد'' فقہ کا قانون ہے وسائل کو بھی مقصد کا درجہ دیں گے، کچھ کام مقصد کے ہوتے ہیں اور کچھ کام مقصد تک پہونچنے کے لیے ہوتے ہیں۔ نماز پڑھنا یہ اصل مقصد ہے، اور اس کے لئے گھر سے چل کر آ رہا ہے، چلنا نماز نہیں ہے، لیکن چلنا نماز کے لیے ضرورت ہے، تو یہ چلنا نماز میں آ گیا اور اس کے لیے ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جائیگی، ایک خطا معاف ہوگی اور ایک درجہ بلند ہوگا۔ کیوں؟ کیوں کہ یہ چلت نماز کے لیے ہوئی، جو جتنی دور سے آئے گا اتنی زیادہ فضیلت ملے گی، ایسے تمام ضرورتیں ہیں کہ اصل مقصد کے لیے جتنے وسائل اختیار

کئے جائیں گے، وہ سب دین بن جائیں گے، اس لئے مسلمان کا کھانا، پینا، کمانا سارا کا سارا دین۔

مسلمان کو دنیادار نہیں کہنا چاہئے:

مسلمان کبھی دنیادار نہیں ہوسکتا، لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا دار ہے، ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ مسلمان دنیادار نہیں ہوتا، کافر دنیا دار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا تو آخرت کا عقیدہ ہی نہیں ہے، آخرت کو مانتا ہی نہیں ہے۔ ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ﴾ یہی ایک زندگی ہے، یہیں جئیں گے، یہیں مریں گے، اور یہی پھر فنا ہوجائیں گے۔ یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد کچھ نہیں ہے۔ یہ اللہ کی بات کو جھٹلا رہا ہے، کیوں کہ اللہ نے تو آخرت کی بات کہی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پیدا کیا تھا، ہم جمع بھی کریں گے۔ ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ﴾ جیسے پہلے ہم نے پیدا کیا تھا، دوبارہ بھی ہم پیدا کریں گے۔ نتیجہ دکھانے کے لئے دوبارہ اٹھائیں گے۔ کافر کا تو آخرت کے بارے میں عقیدہ نہیں ہے، کافر تو دنیادار ہی ہے۔ اس کے لئے کچھ نہیں، نہ دنیا میں کچھ ہے، نہ آخرت میں۔

مال وہ جمع کرتا جس کو کوئی عقل نہیں:

''اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهٗ، مَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهٗ'' یہ دنیا اس آدمی کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، لاوارث ہے، دنیا کے لئے وہ آدمی مال جمع کرے گا جس کو عقل نہیں ہے، جو دنیا بڑھانے کے لئے مال جمع کرے وہ

عقل مند نہیں، کیوں کہ وہ فنا ہونے کے لئے جمع کر رہا ہے۔ یا تو یہ مال کو چھوڑ دے گا اور اگر کوئی حادثہ آ گیا تو یہ فنا ہو جائے گا ورنہ مر جائے گا تو سب چھوٹ جائے گا۔ عقلمند دنیا کے لئے مال جمع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل آ گے یعنی آخرت کو سوچنے اور نتیجہ سوچنے کے لئے دی ہے۔ عقل کے دو کام ہیں، ایک نتیجہ سوچے اور پابند ہو جائے۔

ہمارا نام مسلمان کیوں؟

کافر عقل سے کام نہیں لیتا، اس لئے وہ دنیا دار ہے، ہم دنیا دار نہیں ہیں، الحمدللہ! ہم تو دین دار ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے ابھی فرمایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمان کیوں رکھا؟ ''هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ '' انہوں نے تمہارا نام مسلم رکھا۔ مسلمان یعنی ماننے والا، اطاعت کرنے والا۔ ہم تو مسلم ہیں، ہم تو اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اللہ نے جتنی باتیں کہی ہیں ان کو بھی مانتے ہیں، اور اس پر پابند بھی ہیں۔

عمل میں استقامت کی فضیلت:

میرے بھائیو! میں یہ کہہ رہا تھا ہمیں اپنے دین کا پابند بننا ہے کہ کوئی عمل شروع کیا تو اب وہ ہم سے نہیں چھوٹے گا، حدیث میں ہے کہ جو شخص عمل کا پابند ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے اور اس سے وہ کام اب نہیں ہوتا تو اللہ بغیر عمل کے بھی اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں، کیوں کہ یہ اپنی تندرستی میں پابند تھا، یا یہ کہ سفر میں گیا ہے اور وہ سفر میں عمل نہیں کر سکتا تو سفر میں بغیر عمل کے اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ مرض

اور سفر یہ عذر کہلاتے ہیں۔ مسافر سفر کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتا، بیمار بیماری میں عمل نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ تو اعذار ہیں۔ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ سفر میں جاتے ہیں تو تسبیحات چھوٹ جاتی ہیں۔ حضرت نے کونے میں جواب لکھ دیا سفر عذر ہے، تو بوجھ ہلکا ہو گیا۔

سستی کسے کہتے ہیں؟

لہذا میرے بھائیو! سستی کی وجہ سے ہمارا کوئی عمل نہ چھوٹے، اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ آدمی سست بنے اور سستی کی وجہ سے عمل چھوڑے یہ غلط ہے۔ سستی کسے کہتے ہیں؟ میں مدرسہ میں پڑھانے والا ایک مدرس ہوں، اس لئے چھوٹی چھوٹی باتیں سامنے آتی رہتی ہیں، سستی کو عربی میں ''کسل'' کہتے ہیں۔ حدیثوں میں ہے کہ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے، ''اللھم انی اعوذبك من الكسل'' حدیثوں میں جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، حضرت شیخ نے ان تمام کو ایک کتاب میں جمع کر کے اس کو چھاپا ہے۔ ''کسل، سستی'' یعنی ذمہ داری پورا کرنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی پورا نہ کرے، ایسے آدمی کو کہتے ہیں سست۔ کام کرنے کی طاقت کے باوجود کام نہ کرے تو کہتے ہیں کہ اس نے اس کام میں سستی کی، پیچھے رہ گیا۔

سستی کا علاج چستی:

مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے جب ہم نے پوچھا کہ حضرت سستی ہو رہی ہے تو فرمایا کہ سستی کا علاج چستی، اور کوئی لمبی بات نہیں کرتے تھے۔ اٹھو بیٹھو، کام میں لگ

جاؤ، کوئی تمہیں گھول کے تھوڑا ہی پلائے گا۔اس لئے کوئی سستی نہ کرے، پیچھے نہ رہے۔اگر پیچھے رہ گیا ہے تو اللہ سے معافی مانگیں کہ یا اللہ میں تو پیچھے رہ گیا، مجھے تو آگے بڑھنا چاہئے تھا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی مَاقَدَّمْتُ وَمَااَخَّرْتُ وَمَااَسْرَرْتُ وَمَااَعْلَنْتُ وَمَااَسْرَفْتُ ‘‘ حضور ﷺ کی دعاؤں میں آتا ہے،آپ نیند میں سے اٹھ بیٹھتے تو کہتے تھے کہ اے اللہ مجھے معاف کردے، میں نے کچھ آگے کر دیا ہوگا، کبھی پیچھے کر دیا ہوگا۔آدمی سے آگے پیچھے ہو جاتا ہے،ایسا ہو جائے تو معافی مانگیں۔یہ اللہ کے ساتھ ادب میں سے ہے کہ اے اللہ مجھے یہ کرنا چاہئے تھا، میں نے نہیں کیا۔مجھ سے یہ نہیں ہوسکا،اس لئے میں معافی مانگتا ہوں،اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

اللہ کو پابندی بہت پسند ہے:

لہذا سستی کبھی بھی نہ کریں، ذمہ داری پوری کرنے کی طاقت ہے پھر بھی پوری نہیں کرتے تو پیچھے رہ گئے، ایسا کیوں ہوا کہ اللہ کا ڈر نہیں ہے۔ایسا نہ کریں، اپنے آپ کو پابند کریں، کیوں کہ اللہ کو پابندی بہت پسند ہے،حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو پسند کرتے ہیں جس میں عمل کرنے والا اپنے آپ کو پابند کرے۔اللہ کی طاقت،اللہ کی تائید،اللہ کی مدد عمل کے ساتھ ہے،’’نِعْمَ اَجْرُالْعَامِلِیْنَ ‘‘،’’نِعْمَ اَجْرُالْعَامِلِیْنَ ‘‘ یہ کہا ہے۔اگر کوئی معافی مانگیں تو معاف کردیں گے،لیکن آگے مہر لگائی کہ،’’نِعْمَ اَجْرُالْعَالَمِیْنَ ‘‘عمل کرنے والوں کا انعام تو بہت بہتر ہے۔اگر کوئی چھوٹ چھاٹ ہوگئی، غلطی ہوگئی تو معاف تو کردیں گے، اللہ کو معافی پسند ہے، اللہ

تو معاف کرنے والا ہے، یہ تو اس کی صفت ہے۔﴿وَمَن يَعْمَلْ سُوءاً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ یہ بہت بڑی بشارت ہے کہ جس سے کوئی برائی ہوگئی، کوئی ظلم ہوگیا، پھر معافی مانگنے آ گیا تو جب وہ معافی مانگے گا تو اپنے خدا کو غفور و رحیم پائے گا، تا کہ کوئی ناامید نہ بنے۔

جو غلطی کو تسلیم کرلے گا، اللہ کو غفور رحیم پائے گا:

میرے بھائیو! کام کرتے رہو، بھول بھی ہوگی، غلطی بھی ہوگی، گناہ بھی ہوجائے گا، آدمی ہے! فرشتہ تو ہے نہیں! گناہ کی وجہ سے وہ نہیں گرے گا بلکہ جب گناہ پر اڑ جائے گا تب گرے گا۔ اپنی غلطی تسلیم نہ کرے تو اب وہ گرے گا۔ لیکن اگر اپنی غلطی کو مانی ہے کہ اے اللہ مجھ سے گناہ ہوگیا، تو اللہ کہتے ہیں میں نے معاف کردیا۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے بندہ جب کہتا ہے: رَبِّی اَذْنَبْتُ ذَنْباً فَاغْفِرْلِی ''اے اللہ مجھ سے تو گناہ ہوگیا مجھ معاف کردے۔ تو اللہ کہتے ہیں کہ ہاں ! ہاں ! میں نے معاف کردیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے لئے تیار ہے، کیوں کہ گناہ تو آدمی سے ہی ہوتا ہے، فرشتوں سے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ نے ہمارے لیے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اس لئے معافی مانگ لو اور اپنا تعلق صحیح کرلو۔ اگر سچی پکی توبہ کی ہے تو معاف بھی کریں گے، اور محبت بھی کریں گے، توبہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتے ہیں، ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ'' کتنی بڑی بات ہے۔

پابندی کام کی ترقی کا ذریعہ ہے:

میرے بھائیو! دین کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو آزاد نہ بنایا جائے، اپنے آپ کو پابند بناوے، اس لئے کہ کام کی ترقی کا ذریعہ، پابندی ہے۔ جس محنت میں ہم چل رہے ہیں اس کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ پابندی ہے۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے، اپنے آپ کو پابند بناوے۔ ہر عمل اپنی جگہ اہم ہے، کوئی عمل کمتر نہیں ہے۔ اسے کوئی کم تر نہ سمجھے، اس لئے اس کو جگہ دینی ہے۔ دعوت میں ہے تو دعوت کے کاموں کا اپنے آپ کو پابند بناویں، وقت کے ساتھ عمل کرے۔ جس کام کا جو وقت ہے اس کو اس وقت پر کرے، جیسے نماز، اللہ نے نماز کے بارے میں یہی حکم دیا ہے کہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ، کہ نمازوں کو اس کے وقت کے ساتھ ادا کریں، یہ نہیں کہ جب چاہا کرلیا، ایسا نہیں۔

نفس کی تربیت کیسے ہوگی؟:

کام کو وقت دو اور پھر اس وقت میں کام کرو۔ پھر یہ استقامت بنے گی اور اس سے نفس کی تربیت بھی ہوگی۔ نفس پہلے اس کام کا عادی بنے گا، جیسے جانور کو کسی کام کے لئے پہلے عادی بناتے ہیں، اس کو سکھاتے ہیں، گھوڑے کو، بیل کو، پہلے سکھاتے ہیں، جب وہ عادی ہوگیا پھر وہ دوسرا کام نہیں کرے گا، ایسے ہی جب آدمی اپنے آپ کو کسی کام کا پابند کرے گا، پہلے عادی بنے گا، حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی

وقاصؓ سے فرمایا تھا جب وہ دس بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر کے قادسیہ کی مہم پر جا رہے تھے، تو اس موقع پر ان سے بہت سی باتیں فرمائی تھیں، حضرت سعدؓ بڑے آدمیوں میں سے ہیں، ان دس آدمیوں میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت ملی ہے۔ حضور ﷺ کے ننہال کے آدمی ہے، خاندانی اعتبار سے ماموں ہوتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اے وقاص! دیکھنا، کہیں تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم نبی کے ماموں ہو۔ پھر فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو خیر کے کاموں کا عادی بنانا۔ پھر جب وہ واپس آئے تو خیر کے عادی بن چکے تھے۔ اس لئے فرمایا اگر جب چار ماہ لگے اور تہجد کی عادت نہیں پڑی! یہ کیسی بات ہے، ذکر کے عادی نہیں ہوئے، دعوت کے عادی نہیں ہوئے، خدمت کے عادی نہیں ہوئے۔ جب کرنے کے زمانہ میں کوئی چیز نہیں ہوئی تو پھر دوسرے وقت میں کیسے ہوگی؟

اللہ کے راستہ کی بڑی خیر:

اللہ کے راستہ کی بڑی خیر یہ ہے کہ اس خیر کا اپنے آپ کو عادی بناوے، روزانہ کریں، پابندی سے کریں، اس کی فضیلت اور اس کے اجروثواب کو سامنے رکھ کر، بعض لوگ ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان کی کبھی بھی عصر سے پہلے کی سنتیں بھی نہیں چھوٹی، حالاں کہ سنت غیر مؤکدہ ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے اس آدمی کو دعاء دی ہے جو عصر سے پہلے چار رکعات سنت پڑھے، حدیث شریف میں کہ: ''رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرأً صَلّٰی قَبْلَ الْعَصرِ اَرْبَعًا'' اللہ اس بندے پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات

پڑھے، دعاء دی ہے۔ دعاء کی لالچ میں ساری عمر اس کی پابندی کی، کبھی بھی نہیں چھوڑی، ہماری جماعت میں ایسے بھی ساتھی ہیں کہ برسہا برس گذر گئے مہینہ کے تین دن کبھی فوت نہیں ہوئے۔ سالوں سال گذر گئے لیکن کبھی گشت فوت نہیں ہوا، تاریخ اسی سے بنتی ہے، سوانح اسی سے بنتی ہیں کہ دین کے پابند بن گئے، دین کی دعوت کے، دینی معاشرت کے۔

احسان کرنا معاشرت کا عمل ہے:

صحابہ معاشرت کے اعمال کے بھی پابند تھے۔ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اکثر صحابہ غریبوں اور یتیموں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، یہ معاشرت ہے کہ کھانے پینے میں دوسروں کا خیال کرے، احسان کرنا معاشرت کا عمل ہے۔ ایسے کاموں کی پابندی کرنا ہماری دینی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اور ہماری اپنی ترقی کا بھی ذریعہ ہے۔

پابندی سے نفس دبتا ہے:

جب آدمی پابند ہوگا تو اس کا نفس دبے گا، پابندی نہیں ہوگی تو نفس نہیں دبے گا، اس کو عمل کی طرف کھینچتے ہیں تو وہ دبتا ہے، اور تربیت ہوتی ہے، ترقی کا ایک ذریعہ اپنے آپ کو پابند کرنا ہے۔ ہر عمل کی پابندی کی تو کیا کہنا، یہ تو نور علی نور ہے۔ دوسرا ہر کام کو اس کے اصول اور ترتیب سے کرنا۔ کیف ما اتفق نہیں کہ جیسا ہوگیا کرلیا، نہیں بلکہ کام کو اصول وترتیب سے کرنا۔ دعوت کا کام دعوت کے اصولوں سے، نماز ہے تو نماز کے اصول سے، ہر کام کے اصول ہیں، ہر مشین کے کھولنے بند کرنے کے

طریقے ہوتے ہیں، اسی سے وہ صحیح چلتا ہے، ایسے ہی اپنے دین میں بھی ہے کہ اپنے آپ کو اصول کا پابند کرے، کام کو کام کے اصول کے ساتھ کریں۔

اصول کی پابندی کا طریقہ:

اصول کی پابندی کا طریقہ کیا ہے؟ اصول کی پابندی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پابند کرے اور دوسروں کی رعایت کرے، دوسرے کے لئے سہولت دے اور اپنے کو پابند کرے، یہ نبوی طریقہ کہلاتا ہے، رسول ﷺ نماز پڑھاتے تھے تو ہلکی پڑھاتے تھے، اور اپنی پڑھتے تھے تو بھاری ہوتی تھی۔ عشاء کی نماز میں "والتین والزیتون" پڑھتے تھے، ہلکی نماز پڑھتے تھے، سہولت لوگوں کے لیے کرتے تھے، تاکہ لوگ مانوس ہوا، انہیں وحشت نہ آئے۔ سہولت کے لیے نہیں دینی ہے کہ نئے آدمی کو جماعت میں لے جاؤ، سہولت تو تربیت کے لیے ہے، رعایت تربیت کے لیے ہے، پابندی اپنے آپ پر ڈالے۔

عمل اصول کے ساتھ ہو تو نمونہ بنتا ہے:

جب عمل میں اصول آئیں گے تو وہ نمونہ بنیں گے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں ہے کہ جب آپ کوئی کام شروع فرماتے تھے تو صحابہ ایسا اندازہ لگاتے تھے کہ اب آپ اس کو چھوڑیں گے ہی نہیں، لگاتار کرتے چلے جاتے تھے، اس طرح نمونہ بنتا ہے۔ اصول کے بغیر تربیت نہیں ہوتی، علاج علاج کے اصول سے ہوگا تو شفاء ملے گی، اور اگر اصول صحیح نہیں ہے تو شفاء نہیں ملے گی۔ ہم جب چھوٹے تھے، مدرسہ میں

پڑھتے تھے، بارہ سال کی عمر تھی، تو سائکل چلاتے تھے تو ہمارا ایک ساتھی وہ سائکل چلاتے چلاتے گر گیا، اور ہاتھ ٹوٹ گیا، کلائی میں سے ایسا ٹوٹا جیسے گنّا ٹوٹتا ہے، تو شہر میں اس وقت آج جیسی ڈاکٹری نہیں تھی، پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ تو لوگ کسی بھلے آدمی کے پاس بھیج دیتے تھے تو اس کو بھی کہا کہ فلاں آدمی کے پاس جاؤ۔ ہمارے گاؤں میں بھی ایسے ہی ایک آدمی تھے وہ ہڈی ٹھیک کر کے پٹہ لگا دیتے تھے۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مدرسہ کے پاس اس علاج کرنے والے کا گھر تھا، ان کے پاس گئے ،انہوں نے دیکھا کہ طالب علم ہے، تو پٹہ باندھ دیا اور جھولی لگا دی اور کہا کہ جھولی میں سے ہاتھ کبھی نہ نکالنا، اور اتنے دنوں کے بعد میرے پاس آنا۔ مدرسہ والوں نے اس کو چھٹی دے دی کہ اتنے دن تو گھر چلا جا، وقت آجائے بتلانے آجانا، اس بھلے آدمی نے گھر جا کر جھولی چھوڑ دی، پھر جب وہ ڈاکٹر کے پاس دوبارہ گیا تو جھولی بغیر گیا، وہ ڈاکٹر تو بڑا اصولی آدمی تھا، اس نے واپس کر دیا کہ جیسے آئے ہو ویسے واپس چلے جاؤ، میں بالکل ہاتھ ہی نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ ایسا کا ایسا رہ گیا اور کمی ایسی کی ایسی ہی رہ گئی، کیوں کہ ہر کام اپنے اصولوں سے ہوتے ہیں، اس نے کہا تھا کہ جھولی میں سے ہاتھ مت نکالنا، کیوں نکالا؟

اصلیت کی طرف رجوع کرو اور اصلیت والوں کا ساتھ دو:

اسی طرح ہر چیز کے اصول ہوتے ہیں ،اور اصول بڑوں سے سیکھے جاتے ہیں، جس لائن کے بڑے ہوں اس لائن کے بڑوں سے پوچھے، علاج کی لائن ہے تو

اس لائن کے ماہر حکیموں اور ڈاکٹروں سے پوچھو۔ شریعت کی بات ہے تو علماء سے پوچھو، مسجد وار جماعت سے نہیں؟ تبلیغی بات ہے تو تبلیغ کے بڑوں سے پوچھو کہ انہوں نے کیا ترتیب بتائی۔ ہر کام میں اصلیت کی طرف رجوع کرنا اور اصلیت والوں کا ساتھ لینا یہ بہت ضروری ہے۔ بَرَکَاتُکُمْ مَعَ اَکَابِرِکُمْ ، برکت تو تمہارے بڑوں کے ساتھ ہوگی، اس لئے جس لائن کے جو بڑے ہیں ان سے رجوع کرو۔ اس میں برکت ملے گی۔ بڑوں سے کٹنا اور بڑوں سے ہٹنا اس میں برکت نہیں ہے۔ اس کا ہر لائن میں شدید نقصان ہے، جیسا میں نے کہا کہ علاج کرنے والا، کہ وہ اس لائن کا بڑا تھا، اس کی بات نہیں مانی تو ساری زندگی نقصان میں رہا، اس لئے اصول کے بغیر ترقی نہیں ہے۔

کام اصول پر ہوگا تو زندگی اصول پر آئے گی:

اس لئے میرے بھائیو! اصولوں کو سیکھیں، بار بار اللہ کے راستہ میں نکلیں، ان سے پوچھیں، یاد کریں، یاد کر کے عمل کریں اور دوسروں کو سکھاویں، یہ ذمہ داری ہے، تاکہ کام اصول پر اٹھے اور زندگی اصولوں پر آوے۔ برکت بڑوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے بڑوں سے نہ کٹیں اور نہ ہٹیں، اللہ نے چھوٹوں اور بڑوں میں امتیاز رکھا ہے۔ اس امتیاز کو باقی رکھنا ہے۔ اصولوں پر چلنے کے لئے اصول والوں سے پوچھنا، پوچھ کر عمل کرنا، عمل کر کے پیش کرنا کہ ہم نے اس طرح کیا۔ کارگذاری اسی لئے ہوتی ہے۔ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے تو مذاکرے میں آجاتی ہے۔ اور نکھر کر کے

بات سامنے آجاتی ہے، کارگذاری کی یہی مصلحت ہے کہ کام کر کے پھر سناؤ۔ یہ سنانا گویا کہ اپنے آپ کو نگرانی میں رکھنا ہے۔نگرانی میں رہنا بہت ضروری ہے۔ جونگرانی میں نہیں رہتا اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ کتا سڑک پر مرجاتا ہے تو اس کا پوچھنے والا کوئی نہیں کہ وہ آوارہ ہے اس کے مقابلے میں کسی کی مرغی مری تو پھر دیکھ لو! کیوں کہ مرغی پابند ہے۔اسی طرح اللہ کو ان لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں جو پابند نہیں ہے۔ کسی بھی جیل میں جا کے مرے، اللہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، کیوں کہ یہ ہماری اطاعت میں نہیں، یہ اہم بات ہے کہ اللہ کی اطاعت میں رہے۔اس لئے اطاعت والی زندگی بناوے اور اپنے آپ کو اصولوں کا پابند بناوے۔

اطاعت مذہب کی روح ہے:

لہذا اصول کو سیکھیں، اصول کے طالب بنیں، اصول کے مدعی نہ بنیں۔ جیسے مریض علاج میں طالب ہوتا ہے۔ڈاکٹر جو کہے وہ ٹھیک، اس کو مانکر چلتا ہے تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔کام کی ترقی کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اصولوں کا پابند بناویں۔اصولوں کے مذاکرے کرنے ہیں، کسی پر نقد نہیں کرنا ہے، کسی کو ٹوکنا نہیں ہے۔ مذاکرے ضرور کرنے ہیں تا کہ ذہن صاف ہو جائے۔تو کام جب اصولوں پر ہوگا تو ترقی ہوگی۔ جس کام کو اصولوں کے ساتھ کیا جائے گا، وہ باقی رہے گا۔اس لئے ہم اللہ کے راستہ میں پھریں، سیکھنے کی نیت سے، یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو سیکھ گئے، ایسا ہرگز نہ کریں، بلکہ سیکھیں، پوچھیں اور عمل کریں۔ دین کی محنت کے ساتھ سمجھ کو بڑھائیں،

اصولوں کی پابندی تو ترقی کا زینہ ہے، اطاعت کے ساتھ چلنا، اطاعت کے ساتھ جینا یہ ترقی کا ذریعہ ہے، بات مان کر چلیں گے، کیوں کہ اطاعت تو مذہب کی روح ہے۔اسلام بغیر اطاعت کے کچھ بھی نہیں اور اطاعت ہوئی تو گویا کہ اس میں جان پڑ گئی۔

اطاعت کے تین درجے ہیں:

اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت، ذمہ داروں کی اطاعت، یہ اطاعت کے تین درجے ہیں، اصل تو اللہ کی اطاعت ہے، لیکن آدمی نیچے سے اوپر جائے گا، یہ اطاعتوں کی ذمہ داری ڈالی ہے، ﴿اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو اللہ کے رسول کی، اور اطاعت کرو اپنے ذمہ داروں کی۔لہذا اپنے ذمہ داروں کی اطاعت کرنا رسول کی اطاعت تک لے جائے گا، اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت تک لے جائے گی۔"مَنْ یُّطِیْعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جو رسول کی اطاعت کرے گا، گویا کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت ایک چیز ہے۔لیکن نیچے والی اطاعت میں فرق ہے۔

اولی الامر کی اطاعت کب؟

اولی الامر یعنی ذمہ داروں کی اطاعت کرنا۔ہاں! لیکن ان کی اطاعت کب تک؟ جب تک کہ وہ نافرمانی کی بات نہ کرے، اگر وہ نافرمانی کی بات کرے تو ذمہ داروں کی بات بھی نہیں مانی جائے گی، "لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِق"، کسی بھی مخلوق

کی اطاعت، اگر وہ گناہ کی بات کرے تو نہیں مانی جائے گی، یہاں تک ماں باپ کی بھی نہیں مانی جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ماں باپ بھی گناہ کی بات کررہے ہیں۔ ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ اگر ماں باپ شرک کرنے کی بات کررہے ہیں تو مت مانو۔ باقی ماں باپ کی بات کو مانو۔ شرک حرام ہے اس لئے ان کی یہ بات نہیں مانیں گے۔ ہاں! ماں باپ کے ساتھ سلوک کیا جائے گا، چاہے کافر ہو تب بھی، یہ اعتدال کی بات ہے کہ نافرمانی کی بات نہیں مانی جائے گی، لیکن ان کے ساتھ بدسلوکی بھی نہیں کی جائے گی۔ یہ اصول ہے کہ بات غلط ہے تو ہم نہیں مانیں گے۔ باقی ان کے ساتھ بدسلوکی نہیں کریں گے، کیوں کہ بدسلوکی تو فساد کا ذریعہ ہے۔

صحیح بات چھوڑنا نہیں اور غلط کو ماننا نہیں:

اعتدال کی بات یہ ہے کہ غلط بات کو مانا نہیں جائے گا اور صحیح کو چھوڑا نہیں جائے گا، باقی حسن سلوک تو ہر جگہ مطلوب ہے۔ اصول پر اپنے آپ کو ڈالنا اور اصولوں کا اپنے آپ کو پابند بنانا، اطاعت کا مزاج بنانا یہ بہت ضروری ہے۔ صحابہ کا مزاج اطاعت کا مزاج تھا۔ اطاعت کے معاملہ میں صحابہ ممتاز ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنا مزاج ہی اطاعت والا بنایا تھا۔ قرآن وحدیث کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اطاعت کی جائے، یہ مزاجِ اسلام ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا مزاج اسلامی مزاج ہو اور ہم قرآن وحدیث کی اطاعت کرنے والے ہوں۔ پوچھ کر چلنا، مان کر چلنا، یہ اصل بات ہے۔

اطاعت ادب وعظمت کے ساتھ ہو:

مذہب کی روح اطاعت کرنا ہے،لہذا ادب کے ساتھ اطاعت کریں،عظمت کے ساتھ اطاعت کریں،صحابہ کی اطاعت میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ عظمت کے ساتھ اطاعت کرتے تھے، بوجھ سمجھ کر اطاعت نہیں کرتے تھے۔کراہیت کے ساتھ نہیں، بلکہ محبت سے اطاعت کرتے تھے۔حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہورہے تھے،دروازہ پر پہونچ گئے،جب دروازہ پر پہونچے تو حضور ﷺ ممبر پر تھے،ممبر پر فرمایا کہ ”اِجلِسُوا“ بیٹھ جایئے،بس! یہ بات کان پر پڑی اور وہیں بیٹھ گئے،حالانکہ دروزاہ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے،آنے جانے کی جگہ ہے،لیکن حکم تھا بیٹھ جایئے اس لئے بیٹھ گئے۔حضور ﷺ کو پتہ چلا کہ ابن مسعود دروازہ پر بیٹھے ہیں تو آپ نے بلالیا کہ عبداللہ آگے آجاؤ،یہ تھی اطاعت! کہ نبی کی بات کے بعد قدم آگے نہیں بڑھیگا،”لَاتُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِه“ عظمت کے ساتھ پابند ہوگئے،حکم کی عظمت ہے۔

عبداللہ بن رواحہؓ مسجد نبوی سے قریب کے محلّہ میں رہتے تھے،ایسا ہی قصہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا کہ جب آپ نے ممبر پر بیٹھ کر حکم دیا کہ بیٹھ جایئے ،انہوں نے وہاں اپنے گھر میں سنا ، کیوں کہ مسجد کی دیواریں چھوٹی تھیں،اصل دیواروں کے نشان ابھی بھی ہیں،پہلے جماعتوں میں جاتے تھےاور جماعت کا کام کرتے کرتے حج کرتے تھے،اس وقت کے بڑے مسجد نبوی کی زیارت کرواتے تھے کہ یہاں یہ تھا ،یہاں یہ تھا،آثار مسجد نبوی کی زیارت کرواتے تھے۔مسجد نبوی کی حد کہاں تک تھی؟ وہ

سب کچھ وہاں پر لکھا ہوا ہے۔ دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں تو آواز باہر گئی، عبداللہ ابن رواحہ قریب ہی محلّہ میں تھے، آواز سنی تو وہ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ یہ ادب اور عظمت ہے حکم کے ساتھ۔ حضور ﷺ کو پتہ نہیں تھا، جب لوگوں نے کہا کہ عبداللہ ابن رواحہ نے باغ میں آواز سنی تو وہ وہیں بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ان کو دعا دی کہ اللہ ان کے اطاعت کے جذبہ میں اور ترقی دے۔

اطاعت حق کی ہوتی ہے، ناحق کی نہیں:

دین کے کام کی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ بات کو سنا جائے اور مانا جائے، جو بات صحیح ہے، حق ہے، ہم اس کے تابع ہیں۔ ہاں حق کی تحقیق ضروری ہے کہ صحیح چیز کیا ہے؟ کیوں کہ اطاعت تو حق کی ہوتی ہے، ناحق کی تھوڑی ہی ہوتی ہے؟ غلط بات کی اطاعت نہیں ہوتی۔ جو چیز حق ہے، صحیح ہے اسکے ہر حال میں پابند بننا ہے، اپنی طاقت کے مطابق پابندی کرنا ہے۔ طاقت سے زیادہ اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا، پھر یہ اطاعت ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔

مشورہ تو کام کی حفاظت اور سلامتی کا ذریعہ ہے:

اجتماعی کام ہے تو صلاح و مشورہ سے چلو۔ رائے لو اور رائے دو۔ رائے بڑوں سے لی جائے گی، بڑے نہ ہوں تو برابر والوں سے لی جائے گی اور برابر والے نہ ہوں تو چھوٹوں سے لی جائے گی۔ علماء نے یہ بات لکھی ہے: "البركة مع اكابركم"

برکتیں تمہارے بڑوں کے ساتھ ہیں، اس لئے بڑوں سے مشورہ لو کہ اس میں ہم کیا کریں، مشورہ کریں، یہ سنتِ پیغمبر ہے، مشورہ کام کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور سلامتی کا بھی ذریعہ ہے۔

اللہ سے مشورہ کرنے کا نام استخارہ ہے:

اسی طرح اللہ سے بھی مشورہ کیا کرو، اللہ سے مشورہ کرنے کا نام استخارہ ہے۔ استخارہ کرنا ہے کہ اے اللہ ! میرے مقدر میں جو خیر ہے، مجھے تو معلوم نہیں ہے، تجھے سب کچھ معلوم ہے، یہ استخارہ یعنی اللہ سے خیر مانگنا۔ آپس میں مشورہ کرو، اللہ سے استخارہ کرو، یہ امت کا کام ہے کہ آپس میں مشورہ کرنا، اور اپنے آپ کو مشورہ کا پابند بنانا۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ابھی تو ہم آپ کی خدمت میں ہیں، آپ کی صحبت میں ہیں اس لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں، کوئی بات پیش آئے تو آپ موجود ہی ہیں، لیکن آپ کے بعد بھی ہمارے سامنے مسائل آتے رہیں گے، اگر اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث سے نہ پاویں تو کیا کریں؟ فرمایا کہ اللہ کے نیک بندوں کو جمع کرو، اور ان سے مشورہ کرو، ایک آدمی پر دارومدار مت رکھو۔ یہ مشورہ کا طریقہ ہے کہ بڑوں سے مشورہ بھی کریں گے، برابر والوں سے بھی کریں گے اور چھوٹوں سے بھی کریں گے۔ حضور ﷺ کے سامنے سارے صحابہ چھوٹے ہیں، پھر بھی آپ پوچھتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟

طالب حالب ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے بندوں میں خیر پھیلا رکھی ہے، بڑوں میں بھی، برابر والوں میں اور چھوٹوں میں بھی خیر ہوتی ہے۔ جب کوئی بندہ خیر کا تلاش کرنے والا ہوگا تو اللہ اس کو خیر دیں گے۔ طالب حالب ہوتا ہے، جو طلب گار ہوگا وہ دودھ دوھنے والا ہوگا۔ بچہ ماں کے دودھ کا طالب ہوتا ہے تو ماں کے سینے میں دودھ آتا ہے اور وہ بچہ پیتا ہے، ایسے ہی جو حق تلاش کرنے والے ہوں گے، حق کے طالب ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طلب کی برکت سے دوسروں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں جس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے، ہم مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، بہت سی مرتبہ اس کا تجربہ ہوا۔ بعض مرتبہ کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا، ادھر دیکھا اُدھر دیکھا، اس کتاب میں دیکھا، اُس کتاب میں دیکھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، بات حل نہیں ہوئی، پھر جب پڑھانے بیٹھے، تو کوئی طالب علم جو پڑھنے والا ہوتا ہے، سچا طالب ہوتا ہے تو اس کی برکت سے وہ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔ ہمارا دل بھی مطمئن ہوگیا اور طالب علم کا دل بھی۔ یہ طلب کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ چیز دینا چاہتے تھے تو ہم کو اس کا ذریعہ بنا دیا۔

خلوص سے فیض پہونچتا ہے:

خلوص کی برکت ہوتی ہے، خلوص چاہے پڑھنے والے میں ہو یا پڑھانے والے میں، اس کا فیض پہونچ کر رہے گا۔ مشورہ کی بنیاد امانت داری ہے۔ اس لئے امانت داری سے مشورہ کرو، کوئی غرض نہ ہو، کوئی طلب نہ ہو۔ کام کی مصلحت، کام کا نفع

دیکھنا ہے۔ بعض مرتبہ نجی مشورہ بھی ہوتا ہے، اس میں اس کی کیا مصلحت ہے، کیا فائدہ ہے، یہ سامنے رکھ کر مشورہ دیں۔ مشورہ جس سے لیا جائے اس کا امانت دار ہونا ضروری ہے۔ ''المستشار مؤتمن '' خبر ہے مگر امر کے معنی میں ہے، مشورہ جس سے لیا جائے وہ امانت دار رہے، اور امانت داری سے مشورہ دے کہ بھائی یہ مشورہ ہے۔

مشورہ کی کیفیت نرمی ہے:

مشورہ کی کیفیت نرمی ہونی چاہئے۔ مشورہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ نرم بن کر مشورہ دو، کسی کی کاٹو مت۔ کسی کو ڈانٹو نہیں۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ ﴾ بہت سے احکام دے دیئے ہیں اس آیت میں، فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت کا اثر ہے کہ نبی آپ نرم ہو گئے ہیں، اللہ نے رسول ﷺ کو کیسا بنایا؟ نرم بنایا۔ کوئی آپ سے ناامید نہیں ہوتا تھا، آپ کی نرمی ایسی تھی! مشرکین مکہ آپ کے دشمن تھے پھر بھی وہ آپ سے ناامید نہیں ہوتے تھے کہ کوئی بات لے کر جائیں گے تو آپ ضرور قبول کریں گے۔ ان کی کوئی حاجت ہوتی تھی، ضرورت ہوتی تھی تو آپ کے پاس آتے تھے، حالانکہ آپ کے دشمن ہیں۔ کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ آپ نرم دل ہیں، وہ کہتے تھے کہ آپ تو ہمارے رشتہ دار ہیں، ہمارا فلاں کام ہے، ہماری ضرورت ہے، آپ ہمیں کوئی رائے دیں، ہماری مدد فرمائیں۔ حضور ﷺ ان کی بات کو سنتے تھے اور حاجت پوری فرماتے تھے۔

''فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ'' کا مطلب:

اس لئے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت کا اثر ہے کہ آپ نرم ہیں، اگر آپ سخت مزاج ہوتے ،سخت زبان ہوتے تو یہ مجمع آپ سے چھوٹ جاتا،آپ کے پاس کوئی نہ بیٹھتا۔آپ سے کوئی کٹتے چھٹتے نہیں تھے، بلکہ آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ کو چھوڑنا ان کو گوارا نہیں ہوتا تھا۔اس لئے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے صحابہ کے بارے میں درگذر سے کام لیں، ان سے کوئی غلطی ہوجائے تو درگذر سے کام لیں،اس سے متعلق دو باتیں فرمائی ہے: فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ واسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ' دونوں کا الگ الگ مطلب ہے۔اگر انہوں نے آپ کے حق میں کوتاہی کی ہے تو آپ اپنی ذات سے معاف فرمادیجئے،اور اللہ کے حق میں کوتاہی کی تو ان کے لئے معافی کی دعاء بھی مانگیے۔آپ کا اپنا حق ہے تو معاف فرمادیں،اور اگر اللہ کے حق میں آگے پیچھے کیا ہے تو ان کے لیے استغفار کریں، اور معافی مانگیں، ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک سکھایا ہے۔

مشورہ میں بانٹ، چھانٹ اور ڈانٹ نہ ہو:

تیسری بات یہ فرمائی: وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ کہ اپنے ساتھیوں سے کاموں میں مشورہ لیا کیجیے،ان سے پوچھئے،اس لئے آپ پوچھتے رہتے تھے''مَاذَا تَرَوۡنَ؟'' تمہاری کیا رائے ہے؟اور صحابہ کھل کر رائے دیتے تھے۔یہ خاص بات تھی،بعض مرتبہ

پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! جو رائے آپ نے دی ہے تو کیا اللہ کا حکم ہے؟ تو آپ فرماتے نہیں، یہ میری ذاتی رائے ہے، تو صحابہ کہتے کہ ہماری یہ رائے ہے۔ یہ مشورہ کا تعلق، بہترین تعلق، کوئی بانٹ نہیں، کوئی چھانٹ نہیں ،کوئی ڈانٹ نہیں ، کچھ نہیں۔ مشورہ کی کیفیت نرمی ہے۔ آپ سب کی سنتے تھے، منافقین کہتے تھے: ''وَيَقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ'' یہ تو نرا کان ہے جو کہو وہ سن لے گا، کم بخت یہ کہتے ہیں۔ اللہ نے کہا کہ ان کا کان بن کر سننا، تمہاری خیریت ہے اس میں کہ تم سے درگذر کرتا ہے، وہ اس کو نہیں سمجھتے تھے۔

حق کے مقابلے میں اڑنا اور اکڑنا نہ ہو:

اللہ نے مختلف صلاحیتیں رکھی ہیں، اس لئے ان کے اندر رائے پیدا ہوتی ہے، وہ رائے کام کے لیے مفید بھی ہوتی ہے، بعض مرتبہ مفید نہیں بھی ہوتی۔ کوئی بات نہیں، رائے کا اظہار کریں، رائے قبول ہو تو بھی ٹھیک، نہ ہو تو بھی ٹھیک۔ کیوں کہ ہم تو مشورہ کے تابع ہیں۔ ہمیں تو کام مقصود ہے، اپنی سنانا مقصود نہیں ہے۔ میری ہی چلے اور میں جو کہوں وہ ہی چلے تو یہ تو مصیبت ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم میں دو صفتیں خاص تھی، ایک اپنی بات پر اڑنا، چھوڑتے نہیں تھے۔ دوسرا حق کے مقابلے میں اکڑنا۔ نوح علیہ السلام کو انہوں نے بیزار کر دیا تھا۔ وہ اپنی بات پر اڑے رہتے تھے، اس لئے جب نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں شکایتیں کیں تو یہ بھی کہا کہ یہ

لوگ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں، دوسرا جو بات حق ہوتی ہے اسے قبول کرنے کے بجائے اس کے سامنے اکڑ جاتے ہیں، مانتے نہیں۔ ﴿وَاَصَرُّوا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا﴾ یہ صفت ٹھیک نہیں ہے۔

مشورہ سے آپس کا تناؤ ختم ہوتا ہے:

حق بات مان لینی چاہئے، اس میں مخالف، موافق نہیں دیکھا جائے گا۔ سامنے والے کی بات صحیح ہے تو مان لیں گے، اور اپنی بات صحیح ہے تو نرمی اور مصلحت سے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ مشورہ اس لئے کہ آپس کا تناؤ ختم ہوجائے اور عمل کی گاڑی پٹڑی پر آجائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ میں خیر رکھی ہے۔ تناؤ ختم ہوتے ہیں، تعلق باقی رہتے ہیں، ہر ایک کو ترقی ملے گی۔ یہ بڑی سنت ہے۔

حق ہمیشہ دھیرے دھیرے چلتا ہے:

اس لئے ہم اپنے کام پر پابند بھی رہیں، اصولوں کے پابند رہیں اور مشورہ سے کام کریں۔ جلدی نہ کریں، حق ہمیشہ دھیرے دھیرے چلتا ہے۔ اللہ اپنے نبی کو بھی روک دیتے ہیں کہ آپ جلدی نہ کرو، بات بننے والی ہے، اللہ کا فیصلہ آنے والا ہے، جلدی نہ کرو، ﴿اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ﴾ حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے کہ جلدی نہ کرو، اللہ کام بنانے والے ہیں، گھبراؤ نہیں، کام بن جائے گا، حالت سدھر جائیں گے۔ تمہاری تنگیاں، تمہاری غریبی، تمہاری بھوک سب دور ہوجائے

گا۔کام بننے والا ہے ،جلدی نہ کرو۔صحابہ نے شکایت کی تھی کہ بہت تکلیف ہے۔بڑاظلم ہے، بھوک بھی ہے،دکھ بھی ہے، آپ ہمارے لیے دعاء کیوں نہیں فرماتے ؟ آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں اترواتے ؟اس وقت آپ نے فرمایا کہ سب کام بننے والے ہیں ،مگرتم تو جلدی کررہے ہو۔جلدی نہ کرو،اپنے کام کواس حد پرلے جاؤ جواللہ چاہتا ہے۔اسباب کے درجے میں یہ بہت ضروری ہے کہ اپنے کام کو اس حدتک لے جانا جواللہ چاہتا ہے۔پھراللہ کا فیصلہ آئے گا۔وعدہ پورے ہوں گے اوراللہ کی مدد آئے گی ،اس سے پہلے جلدی کرنا مناسب نہیں۔کیوں کہ ہم نے اپنا کام ہی پورانہیں کیا ہے،کوئی آدمی کوئیں میں سے پانی اوپرلانا چاہے ڈول،رسی یاپائپ اتنا ہونا چاہئے جو نیچے تک جاوے، جب نیچے جاوے گا اورڈول ڈوب جائے گا تو پانی اوپرآئے گا۔رسی ادھوری ہے تو ، یا ڈول ٹوٹا ہوا ہے تو پانی اوپرنہیں آئے گا۔اللہ کی مددیں اوپر ہیں ،وہ نیچے نہیں آئے گی، کیوں ؟ کیوں کہ اس کام کا معیار اوپر گیا نہیں۔جب اتنا معیار ہوجائے گا تو اللہ کی مددیں نیچے آئیں گی ،جیسے ڈول ورسی نیچے پہونچے تو پانی اوپرآتا ہے۔تمہاری ذمہ داریاں جب پوری ہوں گی ،قابل قبول ہوگی تو پھراللہ کے وعدے پورے ہوجائیں گے۔

ہماری ذمہ داریاں:

اس لئے ہمیں اپنے کام کو دیکھنا ہے کہ ہمارا کام پورا ہوایانہیں ہوا۔ہماری ذمہ

داری ابھی پوری نہیں ہوئی۔ ہماری ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی ذات سے اپنے آپ کو دین دار بناوے، اپنی دینداری کی فکر کریں، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ پوری زندگی دینداری والی بنے، اللہ کے حکموں اور رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کے پابند بنیں، حلال کو بھی دیکھنا ہے، حرام کو بھی دیکھنا ہے، عبادت کو بھی دیکھنا ہے، ساری باتوں کو دیکھنا ہے۔

دین دنیا کا فرق کیا ہے:

دین میں دنیا میں بہت فرق ہے، فرق کیا ہے؟ حضرت فرماتے تھے کہ دنیا میں ایک شعبہ دوسرے شعبے کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ کیسے؟ مثلا جو لوگ تاجر ہیں تجارت کرتے ہیں، وہ کھیتی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ کھیتی سے جو مال پیدا ہو ہم خرید لیں گے۔ اور کھیتی والے تجارت کو ضروری نہیں سمجھتے کہ ہم کسان ہیں، ہمیں تجارت کی کیا ضرورت ہے؟ جب ضرورت پڑے گی تو تاجروں سے خرید لیں گے۔ ملازمت والے ان دونوں کو ضروری نہیں سمجھتے کہ ہماری تو ملازمت ہے۔ الغرض دنیا کے شعبے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ دین کے شعبے ایسے نہیں ہیں، دین کے شعبے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، عبادت کا شعبہ، عقائد کا شعبہ، معاشرت کا شعبہ، معاملات کا شعبہ۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ کوئی کہے کہ میں تو نماز پڑھتا ہوں بس! ایسا چلے گا؟ بالکل نہیں چلے گا۔ کیوں کہ اگر حرام کھانا کھا کر نماز پڑھی ہے تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ کمائی میں دین

نہیں اور نماز پڑھی تو وہ کہاں سے قبول ہوگی؟اس طرح حلال کمائی والے یہ کہیں کہ ہم تو حرام سے بچتے ہیں بس! نماز نہیں پڑھتے ،کیا یہ چلے گا؟نہیں چلے گا؟ قرآن نے کہا کہ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ﴾ یہ فرق ہے دین دنیا کا۔حضرت فرماتے تھے کہ دین کے سارے شعبے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔اس لئے ایسا عمل کرنا ہے کہ دین کے سارے شعبوں میں ہم پابند بنیں۔

دنیا کا فائدہ بھی مختصراس کی ذمہ داری بھی مختصر:

میرے بھائیو! پورے دین کی محنت ،اور پورے دین کو سیکھنا ہے۔یہ سارے شعبے ایک دوسروں سے ملے ہوئے ہیں۔دین کا سمجھنا ضروری ہے۔دنیا کا فائدہ بھی مختصراس کی ذمہ داری بھی مختصر ہے۔دین تو سر سے لے کر پاؤں تک اور پیدائش سے لیکر موت تک ، یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے دین کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ بڑی ذمہ داری ہے۔اس لئے پیغمبر ڈرتے تھے اور جو پیغمبر کی صحبت میں رہتے تھے وہ بھی ڈرتے تھے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ہم لوگ جہالت کی بناء پر دین کو جانتے نہیں اور ڈرتے نہیں، دین کو سمجھنا ہے۔ہمیں ایسی محنت کرنی ہے کہ سارے شعبوں میں دین آئے۔تاجروں میں تجارت کا دین آوے، زمین داروں میں زمین داری کا دین آوے۔حاکموں میں حکومت کا دین آوے، مزدوروں میں مزدوری کا دین آوے۔مریضوں میں بیماری کا دین آوے، کیوں کہ بیماری میں روزے نمازوں کے

مسائل ہیں۔محنت ہوگی تو سب لوگ دین دار بنیں گے اور اپنے اپنے شعبوں میں دین لے کر چلیں گے۔پھر ہمارا تاجر دین دار ہوگا۔ ہمارا حاکم انصاف کرنے والا ہوگا۔ ہمارا مزدور ایمان داری سے کام کرے گا، خیانت نہیں کرے گا۔کیوں وہ دین دار ہوگیا۔

دعوت کا کام اخلاق اور اخلاص سے ہو:

اس لئے ہمیں سب کو دعوت دینی ہے۔کیوں کہ یہ ذمہ داری ہے، دنیا کی طرح الگ الگ نہیں ہے۔کیسے دعوت دینی ہے؟ کہ اخلاق اور اخلاص کے ساتھ دین کی دعوت دینی ہے۔ ہمدردی سے دعوت دینی ہے۔نہ ماننے سے مایوس نہیں ہونا، بیزار بھی نہیں ہونا بلکہ محنت کو جاری رکھنا، ہر ایک کا ایک وقت آتا ہے تو وہ بات مان لے گا۔بعض صحابہ دیر سے مانے،بعض صحابہ جلدی مانے۔نبی ﷺ کے پہلے اخلاق دیئے گئے کہ اخلاق سے دعوت دو۔اس لئے ہم کو بھی اخلاق سے کام کرنا ہے،ساری دنیا میں کام کرنا ہے،لوگوں کے مزاج الگ الگ ہیں۔اکرام سے کام کرنا ہے، جب اکرام نکلے گا تو فساد آئے گا۔حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اکرام کی کمی آئی تو وہیں سے فساد شروع ہوا۔کیوں کہ کام اخلاص اور اخلاق سے چلتا ہے،کام کرنے والوں میں اخلاق ہیں تو لوگ جڑ جائیں گے،صبر کریں گے،قدر کریں گے، یہ اس کام کی ترتیب ہے،اس لئے اس میں لگا رہنا ہے۔مولانا انعام الحسن صاحب خاص طور پر کہتے تھے کہ لگے رہو۔پھر اللہ تعالیٰ نتیجہ لانے والا ہے، جب کوئی کام اچھی طرح ہوتا ہے اللہ

تعالیٰ اس کو برباد ہونے نہیں دیتے۔اس کو اللہ پروان چڑھاتے ہیں۔اس لئے ہمیں اس کام کو امانت داری کے ساتھ،اخلاص کے ساتھ،اخلاق کے ساتھ کرنا ہے۔جو چیز صحیح ہے اس کو چھوڑنا نہیں اور جو چیز غلط ہے اس کو لینا نہیں ہے۔البتہ حق کی تحقیق ضروری ہے،اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرماوے۔آمین۔

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو

بیان نمبر [۳]

کل ہند مشورہ

مؤرخہ ۹ر شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۶ر مئی ۲۰۱۶ء بروز پیر بعد نماز مغرب

بمقام مڈگاؤں، گووا

اقتباس

دین کے لیے حسن اسلوب بہت ضروری ہے اس لئے اچھے اسلوب اختیار کرنے ہوں گے، ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے، حضور ﷺ ناراض ہوئے، کیوں کہ زنا کو ساری شریعتوں میں گناہ کہا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی تمہاری بہن سے ایسا کرے، تمہارے ماں سے ایسا کرے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نے کہا کہ نہیں! ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے اس کو دعاء دی کہ اللہ اس کے دل کو پاک فرمادے، تو اس آدمی نے زنا سے توبہ کرلی۔ اس کو اسلوب کہتے ہیں۔ دنیا سے شر اور برائی کو ختم کرنے کے کیا اسلوب اچھا ہونا چاہئے، اس کو سیکھیں۔ اسلوب صحیح نہیں ہوگا تو شر بڑھ جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلاَۃُ والسَّلاَمُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْد :

دین کی مدد کے لیے انصار کو نمونہ بنایا:

میرے پیارے بھائیو! دین کے مددگار بنو، جیسے انصارِ مدینہ دین کے مددگار بنیں، اور اللہ نے انصار کو اپنے دین کے لیے نمونہ بنایا۔ انصارِ مدینہ میں نصرت کی کیا خصوصیت تھی؟ نصرتِ دین میں انصارِ مدینہ کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے دین کی نصرت ایثار کے ساتھ کی ہے۔ ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ انصار دین کے معاملہ میں ایثار کرتے تھے، انہوں نے کبھی اپنی حاجت تک کا خیال نہیں کیا ہے۔ سہولت اور راحت کی بات نہیں ہے، انہوں نے تو اپنی حاجت کا بھی خیال نہیں کیا، اور اس طرح سے دین کا کام کیا۔ بھوکے رہے تو بھی، فاقہ آیا تو بھی، تنگی آئی تو بھی، ہر حال میں ایثار کیا اور دین کی نصرت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو آگے کیا کہ یہ انصار ہیں، دین کے مددگار ہیں۔ انصار کا یہ خاص امتیاز ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کی مدد کی ہے اور ایثار سے کام لیا ہے۔

اعتراض اور شکایت میں فرق:

چنانچہ مکہ جب فتح ہوا، پھر اس کے بعد دوسرے علاقے فتح ہوئے، مالِ غنیمت بھی بہت آیا تو وہ مال حضور ﷺ نے مہاجرین کو دیا، نئے ہونے والے مسلمانوں کو دیا

اور انصار کو نہیں دیا۔ جب میدان سخت ہوگیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انصار کو بلایا کہ انصار کہاں ہیں؟ ضرورت پڑی تو انصار کو بلایا اور جب مال آیا تو دوسروں کو دیا، تو اس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ جب کام کا موقع ہوتا ہے تو ہم کو بلاتے ہیں اور مال کا موقع ہوتا ہے تو دوسروں کو دیتے ہیں۔ یہ ان کے دل میں بات آئی۔ یہ بات اعتراض کے طور پر نہیں آئی تھی بلکہ شکایت کے طور پر آئی تھی۔ اعتراض الگ چیز ہے اور شکایت الگ چیز ہے۔ شکایت تو تعلقات میں ہوتی ہے، جیسے باپ کہتا ہے کہ میرا بیٹا سنتا نہیں کہ یہ تو تعلق کی دلیل ہے۔

انصار کا مقام:

یہ بات انصار کے مقام کے مناسب بھی نہیں تھی، چنانچہ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا، اور کہا کہ صرف انصار آویں گے دوسرا کوئی نہیں آئے گا، اس مجمع میں دوسروں کو اجازت نہیں دی۔ اور پھر پوچھا کہ وہ کیا بات ہے جو مجھے پہونچی ہے؟ آپ نے پوچھ لیا، اس کو پیٹ میں نہیں رکھا بلکہ ظاہر کر دیا۔ شکایت چھپائی نہیں جاتی، ظاہر کی جاتی ہے، تو آپ نے اس بات کو ظاہر کر دیا، اسی طرح صحابہ بھی اپنے اندر جو رائے ہوتی تھی، ظاہر کر دیتے تھے، شکایت ہو تو اس کو بھی ظاہر کر دیتے تھے، اس لئے کہ شکایت جب اندر رہتی ہے تو رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، تو جب آپ نے پوچھا کہ "ماحدیث ارسلت منکم" وہ کیا بات ہے جو مجھے پہونچی ہے کہ کام کا نمبر آتا ہے ہم کو کہتے ہیں اور مال کو نمبر آتا ہے تو ان کو دیتے ہیں، تو صحابہ نے

اس کو ظاہر کر دیا کہ ہاں ! کام ہوتا ہے تو آپ ہم کو بلاتے ہیں اور مالِ غنیمت دینا ہوتا ہے تو دوسروں کو بلاتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ لوگ مال لیکر جاویں، بکریاں لیکر جاویں، اور تم اللہ کے رسول کو لیکر کے جاؤ، تمہارا تو یہ مقام ہے، ان کا یہ مقام نہیں ہے۔ میں ان کو جو مالِ غنیمت دیتا ہوں وہ اس لئے کہ وہ نئے نئے ہیں، لہذا ان کو دین پر جمانے کے لئے دیتا ہوں۔ تمہارا مقام تو اونچا ہے۔ تو پھر انصار کہنے لگے کہ جی ہاں! اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہم پر احسان ہے۔ یہ اصل طریقہ ہے۔ دنیا ملے نہ ملے، مال آوے نہ آوے، حیثیت حاصل ہو نہ ہو، ہم تو دین کی نصرت کریں گے۔ یہ ایثار کی بات کہتا ہوں۔

انصار کی تربیت:

حضور ﷺ نے انصار کی تربیت فرمائی کہ تم کیوں مال دیکھتے ہو، تم تو تعلق والے ہو، اور یہ فرمایا کہ لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار دوسرے راستہ پر چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ ایثار کی تعلیم دی، ایثار کی تلقین کی اور ان کو کام والے کہا اور فرمایا کہ جو چیز تمہیں نہیں ملے گی، میں حوض کوثر پر تمہیں اللہ سے دلواؤں گا۔ اور سنو! ایک زمانہ آئے گا، آئندہ لوگ تمہیں پیچھے کریں گے اور اپنے آپ کو آگے کریں گے، یہ بھی ہوگا۔ کام تو تم نے کیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، لیکن پھر بھی تمہاری ناقدری ہوگی۔ تم لوگوں کو کھلاتے ہو، پلاتے ہو، دیتے ہو، آگے کرتے

ہو، لیکن تمھارے ساتھ الٹا ہوگا۔ کام تم نے کیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، لیکن تم کو پیچھے کیا جائے گا، تو تم اس وقت بھی ان سے ٹکرانا نہیں، صبر کرنا، میں حوض کوثر پر اللہ سے بدلہ دلاؤں گا۔

لوگوں کے مقام ومرتبہ کی قدر کرو:

اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے وقت انصار کا ذہن مرتبہ اور منصب کی طرف گیا کہ حضور کی وفات ہوگئی ہے، اب مہاجرین اور انصار دورہ گئے ہیں، لہذا ایک امیر مہاجرین میں سے رہے گا اور ایک امیر انصار میں سے رہے گا۔ امارت کی بات آ گئی۔ بڑے بڑے صحابہ جیسے ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوھریرہؓ سب پہونچ گئے، ان کی میٹنگ ہورہی ہے، وہاں پہونچ کر حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ میں ان کے سامنے بات رکھوں۔ ان کے سامنے صحیح صورت حال پیش کروں، تو حضرت عمرؓ نے انہیں بیٹھادیا اور پھر انصار کے جتنے فضائل تھے وہ بیان کئے کہ آپ ایسے ہیں، ویسے ہیں، سب بیان کردیا، آپ کا یہ مقام ہے، آپ کا یہ مرتبہ ہے، سب واضح کیا ہے، یہ بہت ضروری ہے کہ ہر آدمی کو اس کے مرتبہ پر رکھا جائے، لوگوں کے مرتبوں کی قدر کی جائے، ان کی حیثیتوں کی قدر کی جائے، یہ حدیث میں ہے "انزلوا الناس منازلھم" کہ سب کو ایک لاٹھی سے مت ہانکو، ان کے مرتبہ کی قدر کرو۔

لہذا حضرت عمرؓ نے انصار کے مراتب کو بیان کیا اور ان کی قربانیوں کو اجاگر کیا پھر یہ بتایا کہ امیر قریشی ہوگا کیونکہ آپ ﷺ قریشی ہیں، اور پورا عرب اگر جڑے گا

تو اسی بات پر جڑے گا۔اس بات کو سمجھو،اور دوسری بات یہ ہے کہ تم نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا ہے،اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو سچا بتایا ہے،﴿اُولٰـئِكَ هُـمُ الـصَّادِقُوْنَ﴾ اور پھر کہا کہ امیر مہاجرین میں سے ہوگا،لہذا آپ ہمارا ساتھ دو،جیسے تم نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔انصار کی سمجھ میں بات آگئی۔انہوں نے کہہ دیا کہ نہ ہمیں مرتبہ چاہیئے نہ مقام چاہیئے،ہم دین کا کام کرتے رہیں گے،چنانچہ انہوں نے دین کا مددگار بن کر پوری امت کو اس کا سبق دیا۔

پوری امت کو ایک پیغام:

اس طرح ساری امت کو یہ پیغام ہے کہ پوری امت دین کے مددگار بنیں جیسے انصار دین کے مددگار بنے، ہماری جان سے، ہمارے مال سے، ہماری صلاحیتوں سے دین کو پانی پہونچے تاکہ دین کے جتنے احکامات ہیں وہ زندہ ہوجائیں،امت میں اتنی محنت ہو کہ امت میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجائے کہ وہ دین کے سارے کاموں کو اپنی زندگی میں لینے والی بنیں۔انصار نے اپنی زندگی میں دین کی محنت کے بدلے میں کچھ نہیں مانگا،صرف یہ چاہا کہ اللہ کا دین سرسبز وشاداب بنے،جب اخلاص پیدا ہوگا تو فتنے ختم ہوں گے۔

انصار نے ساری عمر دین کا ساتھ دیا:

انصار نے ساری عمر ساتھ دیا اور اتنا نہیں بلکہ صبر کرتے ہوئے دین کا ساتھ

دیا۔اور یہی طریقہ کا نصرت کا ہے،نصرت کوئی رسمی چیز نہیں ہے، یہ کام تو پتّا مارو (ہمت کا) کام ہے،تا کہ دین کے کام کو فروغ ملے۔دین میں رسمیت نہیں، صحیح کام کو فروغ ملے یہ بہت ضروری ہے۔

نصرت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے:

نصرت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے، جیسے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصاری ہوتا۔اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان کی زندگی یہ ہے کہ دین کی نصرت کرنے والا بنے،اور وہ بھی صرف اللہ کے لئے،اور دوسرا کچھ نہ چاہے،صرف اللہ کے دین کو فروغ دینا مقصود ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آئے گی۔اللہ تعالیٰ کی نصرت ہماری نصرت پر موقوف ہے۔

آخرت کس کو ملے گی؟

ہمارے دل میں آخرت کی طلب ہو، دین کی سچی طلب ہو تو آخرت ملے گی، آخرت سچوں کو ملے گی، ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ آج کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔حضور ﷺ کی سب سے پہلی صفت جو تھی وہ یہ ہے کہ آپ سچے تھے، امانتدار تھے۔سب سے پہلے آپ کی سچائی اور امانت داری ظاہر ہوئی ، یہ دین کی بنیادیں ہیں، اس لئے ہر مسلمان اپنے کام میں اور دین کے کام میں سچا اور امانت دار بنے۔کوئی ہماری بات مانے نہ مانے ، بات کو منوانا ضروری نہیں ہے۔اپنی ذمہ داری پوری کرنا ضروری ہے۔قیامت کے روز انبیاء علیہم السلام میں سے بعض ایسے بھی

آئیں گے، جن کا ماننے والا ایک بھی نہیں ہوگا، ساری عمر دین کی محنت کی، محنت کرتے کرتے تھک گئیے، لیکن ایک بھی ماننے والا نہیں، اسلئے اپنے آپ کو سچا بنانا ہے۔

دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو:

یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری دعوت میں خوبی پیدا ہو، جیسے لوگ کھانے پینے کی دعوت کرتے ہیں، اور اس میں خوبی پیدا کرتے ہیں، پھر لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں کہ ولیمہ ایسا تھا، دعوت ایسی تھی۔ایسے ہی فرمایا کہ دین کی دعوت میں خوبی پیدا کرو۔ ہم سے پوچھا جائے کہ کیا چاہتے ہو؟ کہ کچھ نہیں چاہتے، کوئی دوسری نیت نہیں، ورنہ یہ دعوت نہیں عداوت ہوگی۔اس لئے ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی دعوت میں خوبی پیدا کریں، پہلی خوبی نیت کی ہے۔کوئی چیز مطلوب نہ ہو، ہمارے سامنے دو باتیں ہوں کہ اللہ کا دین اللہ کے بندوں میں آجائے اور اللہ راضی ہوجائے، نیت کی خوبی یہ ہے کہ اللہ راضی ہوجائے، پھر آدمی کسی سے ناراض بھی نہیں ہوگا۔اندر کوئی چیز رہتی ہے تو بگڑتی ہے، اور کچھ بھی نہ ہو تو کیا بگڑے گا؟

حسنِ نیت کے ساتھ حسنِ عمل بھی ہو:

اس لئے کہتے ہیں کہ مخلصین ہی ہدایت کے چراغ بنیں گے، ہدایت کی روشنی مخلصین سے پھیلے گی۔اس کے پیچھے خوب ترقی ہوگی۔حضور ﷺ صحابہ سے یہی کہتے تھے کہ کچھ مت چاہو، اللہ تمہیں بہت دے گا، اس لئے حسن نیت کی دعوت دی جاتی

ہے کہ کہ نیت میں خوبی پیدا کرو، کوئی شور نہیں، کوئی بڑھاوا نہیں، کچھ نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ حسنِ نیت کے ساتھ حسنِ عمل ہو یعنی اپنی کوشش اور عمل اچھے سے اچھا ہو۔ سر سے لے کر پیر تک ہر عمل اچھے سے اچھا ہو، جیسے کہ دنیا کے کام اچھے سے اچھا کرتا ہے۔ آداب کے ساتھ، طریقے کے ساتھ، ترتیب کے ساتھ ہو، اس کو حسن عمل کہتے ہیں۔ حسن نیت کے ساتھ حسن عمل مطلوب ہے۔﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً﴾ اس سے بہتر کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلاوے اور اپنے عمل کو شریعت کے مطابق، سنت کے مطابق بناوے۔

اپنے عمل کو تقوی والا بناؤ:

اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کرنا ہے، اللہ نے جو جان و مال دیا ہے اس کو اچھا سے اچھی جگہ لگائیں، اس کے جو لوازمات ہیں اس کو پورا کرنا ہے۔ کوئی راضی ہو کوئی ناراض ہو، اس کی پرواہ نہیں کرنی ہے، پھر اللہ کی مدد آئے گی۔ صحابہؓ نے اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مشورہ دیا کہ بیت المال میں جتنا مال آتا ہے آپ سب خرچ دیتے ہیں، بانٹ دیتے ہیں، حالات بھی آتے ہیں، ضروریات بھی کھڑی ہوتی ہیں، لوازمات بھی ہوتے ہیں، اس کے لئے مال رکھو، یہ رائے دی۔ تو کہا کہ اللہ نے ہم کو تقوی دیا ہے، جو تقوی سے کام کرے گا، اللہ اس کے کام کو آسان کر دے گا۔ یہ صحابہؓ کی بڑی خوبی تھی کہ اپنے کام کو تقوی کے ساتھ کرتے تھے۔ ہاں! یہ بڑی خوبی ہے۔

اخلاق سے دعوت کو پانی پہنچتا ہے:

حسنِ نیت اور حسنِ عمل کے بعد تیسری بات حسنِ اخلاق ہے، یہ بہت ضروری ہے، اخلاق سے دعوت کو پانی ملے گا۔ جب بھی کوئی نبی آیا تو اس وقت جہالت ہوتی تھی، جہالت کی باتیں، جہالت کا مزاج، بنی اسرائیل کی طرح کہ اللہ نے ان کو سمندر پھاڑ کر پار کیا اور کامیاب کیا، لیکن جیسے ہی نجات پائی اور دیکھا کہ لوگ بت پرستی کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی ایسا بت لے آؤ۔ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ تم تو بڑی جاہل قوم ہو، نبیوں کے سامنے جہالتیں ہوتی ہیں، اخلاق سے کام کیا تو یہ جہالتیں چھٹ جائیں گی۔

جہالت کا مقابلہ اخلاق سے ہوتا ہے:

جہالت کا مقابلہ جہالت سے نہیں ہوتا، جہالت کا مقابلہ تو اخلاق سے ہوتا ہے۔ جب حضور ﷺ آئے تو بہت بڑی جہالت تھی، چھ سو سال ایسے گذرے تھے کہ کوئی نبی نہیں آئے، بہت سخت جہالت تھی۔ اس جہالت کے توڑ کے لیے حضور ﷺ کو اخلاق کا بہت اونچا معیار دیا گیا۔ لہذا جس طرح دعوت دینے والے کی نیت اور عمل میں خوبی کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس کے اخلاق میں خوبی بھی ضروری ہے کہ اس کے اخلاق اونچے ہوں، اپنوں کے ساتھ بھی، پرایوں کے ساتھ بھی، چھوٹوں کے ساتھ بھی، بڑوں کے ساتھ بھی، سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ہے کہ اس سے جہالت

ٹوٹے گی۔اس لئے ہماری دعوت اچھے اخلاق کے ساتھ ہو، جتنا دعوت کا عروج ،اتنا ہی اخلاق کا بھی عروج ہونا چاہیئے۔

جب دعوت میں عروج نہیں تھا تو صبر کرنا پڑتا تھا ،کیوں کے لوگ مانتے نہیں تھے۔اب جب کام کا عروج ہے تو اکرام ہے،اس وقت دشمنیاں تھیں ،اور فتح مکہ کے بعد فیاضیاں ہیں،لہذا انھوں نے دشمنوں کو معاف کردیا کہ آج تمہارے لیے معافی ہے،حالاں کہ وہ سب ایسے مجرم تھے جیسے حکومتوں کے مجرم ہوتے ہیں، کالے لسٹ میں نام ہوتا ہے۔تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ وہ معاملہ کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔سب کے ساتھ حسن سلوک کیا ،سب کے ساتھ معافی کا معاملہ کیا۔حضور ﷺ نے اپنا اقتدار نہیں بتایا، بلکہ اپنے اخلاق بتائے کہ اب تو یہ اللہ کے بندے ہیں،اوران کو معاف بھی کردیا،ان کے لیے راستے کھول دیئے،اوران کا خوب اکرام کیا۔

کام کو صحیح رخ پر لانا ضروری ہے:

یہ کام تو اس لئے ہے کہ لوگوں کی صلاحیتیں کام پر لگ جائیں ، یہ نہیں کہ ہماری حیثیت بن جائے ،صحیح کام کو لوگوں کے سامنے لاویں گے،کام کو صحیح رخ پر لانا ضروری ہے۔کام کو صحیح رخ پر لانے کے لیے لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں گے،اور اللہ سے دعائیں بھی کریں گے،اللہ کی مدد صحیح رخ پر آتی ہے،اس لئے اپنا رخ صحیح ہونا

چاہئے۔کام صحیح ترتیب سے ہو، اس میں حسن نیت بھی، حسن عمل بھی ہو، حسن اخلاق بھی ہو، پھر اللہ تعالیٰ راستے کھولے گا، اللہ تعالیٰ رکاوٹیں دور کرے گا، ''اَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْا مَایَسُرُّکُمْ'' حدیث شریف میں ہے کہ خوش ہو جاؤ اللہ ایسے حالات لاویں گے کہ تمہیں خوش کردیں گے۔

حق کڑوا اور باطل میٹھا ہوتا ہے:

بات جتنی صحیح ہوتی ہے اتنی ہی کڑوی ہوتی ہے، حق کڑوا ہوتا ہے اور باطل میٹھا ہوتا ہے۔اس لئے کام کو صحیح ترتیب سے کرنا ہے اصولوں کے ساتھ، آداب کے ساتھ۔جو اگلوں نے کیا ہے اسی طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا۔حضور ﷺ فرماتے تھے کہ میرے بعد بہت اختلاف پھیلے گا، ''فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِيْشُ بَعْدِیْ فَسَيَكُوْنُ اِخْتِلَافاً شَدِيْدًا'' جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف پائے گا۔اس وقت تم کیا کروگے؟ کہ تمہیں دین کے کام کو اصول وآداب کے ساتھ اس طرح پیش کرنا ہے جس طرح پہلوں نے کیا، اس کے بعد بھی کوئی اختلاف کرے تو یہ اختلاف نہیں انحراف ہے، ورنہ اختلاف تو بہت اچھی چیز ہے۔

عمل میں تو اختلاف ہوسکتا ہے دین میں نہیں:

اختلاف تو اچھی چیز ہے، اختلاف سے بہت سے دروازے کھلتے ہیں، جس طرح سے روزی کے بہت سارے راستے ہیں، اس طرح دین کے بھی بہت سے

راستے ہیں، اس لئے عمل میں تو اختلاف ہوگا، لیکن دین میں اختلاف نہیں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابہ میں بڑے عالم مانے جاتے ہیں، کسی نے کہا کہ کوئی کہتا ہے کہ وتر کی رکعتیں تین ہیں، کسی نے کہا کہ نہیں وتر تو صرف ایک رکعت ہے! تو ابن عباسؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، کرنے دو۔

ہر اتفاق ممدوح نہیں، ہر اختلاف مذموم نہیں:

شریعت میں اعتدال ہے، ہر اتفاق ممدوح نہیں ہوتا اور ہر اختلاف مذموم نہیں ہوتا ہے، جس اتفاق سے دین کو فائدہ ہو وہ اتفاق ٹھیک ہے اور جس اختلاف سے دین کو فائدہ ہو وہ اختلاف بھی ٹھیک ہے۔ جس اختلاف میں کوئی غرض نہ ہو اس اختلاف سے دین کو کوئی نقصان نہیں ہوگا اور جس اتفاق میں غرض ہو تو اس اتفاق سے دین کو بڑا نقصان ہوگا۔ اس لئے دین کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے بڑوں کو دیکھنا پڑتا ہے فرمایا کہ "اَلْبَرْکَةُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ" برکت تو تمہارے بڑوں کے ساتھ ہوگی۔ اس لئے اعتدال اور درمیانہ پن اختیار کرنا ہے۔ رایوں کا اختلاف تو ہوتا ہی ہے، اور یہ تو ہوگا ہی۔ کیوں کہ جیسے وکیلوں کا اختلاف ہوتا ہے، ڈاکٹروں کا اختلاف ہوتا ہے تو اس سے عمل میں گنجائش نکلتی ہے۔ ایسے ہی دین میں بھی ہے کہ رایوں کے اختلاف سے عمل میں گنجائش نکلتی ہے۔ اس طرح اختلاف رحمت ہوتا ہے لیکن جو اختلاف غرض کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہ تو مصیبت بن جاتا ہے۔

بدنامی سے اپنے دین کو بچانا ہے:

اس لئے فرمایا کہ جیسا تمہارے بڑوں نے کیا اس طرح کرو۔حضور نے فرمایا کہ میری سنت دیکھو، میرے صحابہ کی سنت دیکھو، ان کا اختلاف دیکھو۔اس طرح اپنے دین کی حفاظت کے لیے کام کو صبر کے ساتھ اور اخلاق کے ساتھ کرنا ہے۔اچھے اسلوب اور اچھے ڈھنگ سے دین کا کام کرنا ہے تاکہ شر ظاہر نہ ہو۔بدر کے میدان میں حضور ﷺ نے صحابہ کو دیکھا کہ انہوں نے دشمن کے جاسوس کو پکڑا ہے اور ان سے پوچھ تاچھ کر رہے ہیں کہ تمہارے کیا حالات ہے؟ تمہاری کیا طاقت ہے؟ وہ بتا نہیں رہے تھے، اور صحابہ ان پر سختی کر رہے تھے، حضور ﷺ نے ان صحابہ کو پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہم ان کو حالات پوچھتے ہیں اور وہ بتاتے نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کو مار رہے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ نہیں! نہیں! انہیں مت مارو۔پھر حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری فوج کے کھانے کا کیا نظام ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہر روز دس اونٹ کٹتے ہیں۔تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ سمجھ میں آ گیا۔ان کی فوج میں ایک ہزار آدمی ہے، کیوں کہ ایک اونٹ کو سو آدمی کھاتے ہیں۔ان کو مارنے کی ضرورت نہیں ، ان کی تعداد معلوم ہوگئی۔ان کو مارومت، مارنے سے بدنامی ہوتی ہے، حضور ﷺ بدنامی سے بہت بچتے تھے۔

دین کے لیے حسن اسلوب بہت ضروری ہے:

دین کے کام کے لیے اچھے اسلوب اختیار کرنے ہوں گے، ایک آدمی حضور

ﷺ کی خدمت میں آیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے ،حضور ﷺ ناراض ہوئے ، کیوں کہ زنا کو ساری شریعتوں میں گناہ کہا ہے۔تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بھائی ! کوئی تمہاری بہن سے ایسا کرے ،تمہارے ماں سے ایسا کرے تو کیا تم اس کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ نہیں ! ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے اس کو دعاء دی کہ اللہ اس کے دل کو پاک فرما دے،تو اس آدمی نے زنا سے توبہ کر لی۔اس کو اسلوب کہتے ہیں۔دنیا سے شر اور برائی کو ختم کرنے کا کیا اسلوب ہونا چاہئے ،اس کو سیکھیں۔اسلوب صحیح نہیں ہوگا تو شر بڑھ جائے گا۔

ہمارے کام میں مقابلے اور جھگڑے نہیں ہیں:

اس لئے میرے بھائیو!اس کام کو سمجھنے کی ضرورت ہے،سیکھنے کی ضرورت ہے،اور سیکھنے سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بڑوں نے کیا کیا؟ صحابہ نے کیا کیا؟اس سے اعتدال پیدا ہوگا اور اعتدال کے بغیر کام نہیں بنتا۔اور سمجھ سمجھ کر کے اس کام کو امانت جان کر کرنا ہے،صبر سے کام لینا ہے، مقابلے ہمارے کام میں نہیں ہیں، جھگڑے ہمارے کام میں نہیں ہے،جھگڑوں کے جواب میں ہم صبر کریں گے،سب کے لیے ایک دور صبر کا ہوتا ہے،خصوصاً جب کہ اختلاف ہونے لگے تو صبر کرو۔قرآن میں یہ ہدایت ہے:﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جھگڑا نہ کرو صبر کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ صبر کے پھل دکھائے گا۔

کام کی ابتداء کمزور ہوتی ہے لیکن کام کرنے والے جمیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت سے اوپر لاویں گے، دانہ اگتا ہے، یا گٹھلی اگتی ہے تو ابتداء میں وہ کمزور ہوتا ہے، پھر وہ تنہ بنتا ہے اور طاقتور ہو جاتا ہے، پھر پھل دیتا ہے۔ اس لئے اللہ سے امید کرتے ہوئے اس کام کو کرنا ہے، صحیح اصولوں کے ساتھ، صحیح ترتیب کے ساتھ اس کام کو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی، آپ کو بھی اور ساری امت کو نصیب فرمائے۔

دین تو خیر خواہی اور ہمدردی کا کام ہے:

دین ہمدردی کا نام ہے، ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ دشمنیاں اور عداوتیں تو ہمارے یہاں ہے ہی نہیں، دلوں کو صاف کرنا ہے، سب کے بارے میں ہمدردی ہو، جو ہم کو چاہے ان کے لیے بھی اور جو ہم کو نہ چاہے ان کے لیے بھی۔ سب کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ دین کی صحیح شکلوں کو پیش کرنا ہے۔ دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ ہر ایک کے لیے بھلائی چاہنا ہے۔ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہماری مخالفت کرنے والوں کی خوبی دیکھیں۔ یہ کام تو پتہ مارو (مشکل) ہے، اس میں تو اپنے آپ کو پیسنا پڑتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اوپر لاتے ہیں۔ کبر اور بڑائی کے ساتھ یہ کام نہیں ہوتا ہے۔ جیسے دانہ زمیں میں جا کر اپنے آپ کو مٹا دیتا ہے، ایسے ہی ہمیں بھی اپنے آپ کو مٹانا پڑے گا، اس لئے ہمیں اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اس کو کرتے رہنا ہے۔

دنیا حالات کا گھر ہے

بیان نمبر[٤]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۲ / جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۵ / فروری ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام بنگلور، صوبہ : کرناٹکا

اقتباس

دعوت میں اللہ تعالیٰ ہی کا تعارف زیادہ ہونا چاہئے کہ اللہ کون ہیں؟ نبی اپنی دعوت میں خدا کی خدائی کو بولتے ہیں تاکہ اللہ کی طاقت پر، اس کے فیصلوں پر یقین ہو جائے۔ دیکھو! اللہ نے یہ دیا ہے، یہ کیا ہے، وہ کیا ہے۔ اللہ نے بھی ایسے کاریگری کی ہیں جو اس کی قدرت پر یقین بڑھاوے، ایمان بڑھاوے۔ اللہ فرماتے ہیں ﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ کیا ہم نے تمہیں ایک ناقدر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ کتنی بڑی قدرت کہ پانی سے نقشہ بنایا! پانی پر کوئی نقشہ بنتا نہیں ہے؟ کاغذ پر تو بنے گا، دیوار پر بنے گا، لکڑی پر بنے گا، لیکن پانی پر نہیں بنتا۔ انسان کی شکل وصورت پانی پر بنائی، یہ بڑی قدرت کی بات ہے۔ پھر جب صورت تیار ہوئی اور بچہ تیار ہو گیا اور ماں جب اس کو نہلا دھولا کر مجلس میں لاتی ہے تو اس بچہ پر سب کو پیار آتا ہے۔ اللہ ایک پانی کی بوند کو بڑی صورت بناتا ہے، سوچو! آج تک پانی پر کس نے نقشہ بنایا؟ پانی پر تو کیا، برف کی چھیل پر بھی نہیں بن سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہٗ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلّٰی اللّٰہ تعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً ۔ اَمَّابَعْدُ

اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی:

میرے پیارے بھائیو! اللہ کے نبیوں کا یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ وہ اللہ کے بندوں کواللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کرواتے تھے،نعمتوں کی یاددہانی کراکراللہ کےاحکام پرکھڑاکرتے تھے۔یہ ایک طریقہ ہے کہ ہر آدمی یہ سوچے کہ مجھ پراللہ کی کیانعمتیں ہیں؟ کیوں کہ آدمی نعمتوں میں مشغول ہوکراللہ کوبھول جاتا ہے،اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے اسباب میں یہ تاثیرہے کہ وہ آدمی کوغافل کردے۔مال غافل کرے، اولاد غافل کرے، یہ سب چیزیں اللہ سے غافل کرنے والی ہیں،اس لئے آگاہ فرمایا ہے: ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تُلْھِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلَا أَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللَّہِ ﴾(سورۃ منافقون:۹)اے ایمان والو!تمہارے اموال،تمہاری اولادتمہیں اللہ کی یادسےیعنی اس کی اطاعت سے غافل نہ کردے۔اسی طرح ہرچھوٹی بڑی نعمتیں غافل کرنے والی ہے، ان کی تاثیرہی یہ ہےاوراسباب کواللہ نے انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا

ہے،اسباب تو انسان کے فائدے اور گذارے کے لئے پیدا کئے ہیں، اسباب سے آدمی کا گذارا ہوتا ہے، اس کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔اسی وجہ سے اسباب سے آدمی کا تعلق بہت جلدی ہو جاتا ہے۔

اللہ کی نعمتوں میں غور کرو:

لہذا اللہ کی جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں اس میں غور کرو، سوچو۔حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے تھے کہ نعمتوں کو سوچو کہ کیا کیا نعمتیں ملی ہیں؟ کہ بہت بڑی بڑی نعمتیں ہیں، بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ نے تم میں انبیاء علیہ السلام ک پیدا دیا ﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ﴾ دوسری نعمت یہ کہ تمہیں بادشاہت دی ہے، بنی اسرائیل کو اللہ نے بادشاہت دی ہے، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل میں تھے اور وہ بادشاہ تھے۔یوسف علیہ السلام کو بھی بڑا عہدہ ملا تھا۔بنی اسرائیل کو یہ سب یاد دلایا کہ ہم نے تمہیں بادشاہت دی۔ ہاں! بادشاہ تو ایک ہوتا ہے لیکن اس کا پورا گھرانہ شاہی خاندان کہلاتا ہے۔گویا اس کا ہر ہر فرد بادشاہ ہوتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ شاہی خاندان کا فرد ہے۔یہ مثال تھی نعمتوں کو یاد دلا کر اللہ کی طرف بلانے کی، اللہ کی طرف سے آئی ذمہ داریوں پر کھڑا کرنے کی۔یہ اچھا اور آسان اسلوب ہے۔

بندہ تکلیف میں نعمتوں کو بھول جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ بھی نعمتیں یاد دلاتے ہیں کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ کیا، یہ کیا، یہ کیا،

تاکہ بندہ اللہ کی نعمتوں کو سوچا کرے کہ میرے ساتھ اللہ کی کتنی نعمتیں ہیں اور پھر ان کا شکرادا کرے۔ بندہ کے پاس بہت ساری نعمتیں ہوتی ہیں، لیکن کبھی ایک تکلیف آگئی تو وہ ساری نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور ایک تکلیف، ایک نقصان کو یاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے تو یہ ہوگیا ہے، مجھے تو یہ ہوگیا ہے۔کوئی ایک تکلیف آجائے تو اس کی شکایت شروع ہوجاتی ہے۔ مجھے یہ ہوگیا، مجھے یہ ہوگیا ہے۔اس کے ماسواء جتنی نعمتیں ہیں اس کو بھول جاتا ہے، اسی ایک تکلیف میں الجھ جاتا ہے۔اس لئے یہ طریقہ ہے کہ نعمتوں کو یاد کرو کہ شکایت تو ایک تکلیف کی ہی ہے، نعمتیں بہتہیں، پھر بھی شکایت لے کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا ہے۔

نفس چھوٹے بچہ کی طرح شاکی ہے:

نفس بہت جلدی شکایت کرنے والا ہوتا ہے، چھوٹے بچہ کی طرح سے فوراً شکایت کرنے لگ جاتا ہے۔اس لئے کہتے ہیں اگر کوئی تکلیف آگئی تو باقی نعمتوں کو بھول مت جاؤ، بلکہ ان کا شکرادا کرو، اور تکلیف کے بارے میں اللہ سے اچھا گمان رکھو کہ اللہ نے مجھ پر جو تکلیف ڈالی ہے یہ کسی حکمت سے ڈالی ہے۔

اللہ کی قدرت اور حکمت:

اللہ تعالیٰ قدرت سے بھی کام کرتے ہیں اور حکمت سے بھی، جو چیز قدرت سے ہوتی ہے وہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن جو چیز حکمت سے ہوتی ہے تو چونکہ اس چیز کی حکمت آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلا: کسی کو غریب بنادیا، کسی کو بیمار بنادیا۔اللہ نے اس کو

کیوں بیمار بنایا؟ کیوں غریب بنایا؟ اس کی حکمت معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ شکایت کرتا ہے، حالاں کہ یہ نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ سے تعلق اور گمان صحیح ہو:

اللہ سے اپنا گمان اور تعلق صحیح ہونا چاہئے۔ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ہم مسلمانوں میں اللہ سے اچھے گمان کا دروازہ کھل جائے تو اللہ کی عطاؤں کے دروازے بھی کھل جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان ہو اور آپس میں بھی اچھا گمان ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کی عطاؤں اور نعمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

حضور ﷺ اپنے ساتھیوں سے یہ فرماتے تھے کہ دیکھو! تمہاری موت اس حالت میں آئے کہ تمہارا گمان اللہ کے ساتھ اچھا ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے وفات سے کچھ دن پہلے یہ بات فرمائی تھی کہ تمہارا گمان اللہ کے ساتھ اچھا ہو۔ کیوں کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔

اللہ کے خزانے لامحدود ہیں:

نفس میں شکایت بہت جلدی پیدا ہو جاتی ہے اور مایوسی بہت جلدی آجاتی ہے، ناامیدی آجاتی ہے کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے کرتے ہیں، ناامید ہونے کی کیا بات؟ کیا اللہ کے خزانے میں کوٹا ختم ہو گیا؟ نہیں!

ایسانہیں ہے، بلکہ اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں، جب سے مخلوق پیدا ہوئی ہے تب سے خرچ ہورہا ہے، اب بھی وہ بھرے ہوئے ہیں اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

شیطان مایوسی لاتا ہے:

اکثر دین کے کام کرنے والوں پر شیطان مایوسی لاتا ہے، ناامیدی لاتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا ہوگیا، ہمارا تو یہ ہوگیا۔ پھر ناامید ہوکر کٹ جاتا ہے اور کام چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ شیطان جس طرح گناہوں میں ڈال کر آدمی کو اللہ سے دور کردیتا ہے اسی طرح وہ ناامیدی اور مایوسی ڈال کر بھی اللہ سے دور کرتا ہے کہ تو تو اتنے سال سے کام کرتا ہے، تیرے حالات تو ایسے ہی ہیں۔ تیرے حالات تو سدھرے نہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھول گیا؟ نعوذ باللہ۔ کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرے گا؟ نعوذ باللہ۔ اللہ تو بھولتا بھی نہیں اور ظلم بھی نہیں کرتا۔ تو پھر کیا بات ہے کہ ایسا ہوگیا؟ کہ یہ حکمت ہے، اس لئے اللہ سے امیدوار رہیں، ناامید نہ بنیں۔

شیطان اللہ سے ناامید ہے اور دوسروں کو بھی ناامید کرتا ہے:

شیطان خود بھی اللہ سے ناامید ہے، اس کو ابلیس کہتے ہیں۔ 'ابلیس' یہ 'ابلاس' سے ہے۔ ابلاس کے معنی ناامیدی ہے۔ تو شیطان اللہ سے ناامید ہے اس لئے وہ دوسروں کو بھی ناامید بناتا ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ تو تو کتنے سال سے کام کرتا ہے! تیرا کام تو بنا نہیں، تیرا حال تو بنا نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو نہ دینا کسی حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے، جو اللہ ہی جانتے ہیں۔

حکمت تو صرف اللہ ہی جانتے ہیں:

میرے بھائیو! حکمت تو صرف اللہ ہی جانتے ہیں، اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت سے اگر ایک دروازہ بند کردے تو گھبرانا نہیں چاہیئے، کیوں کہ وہ اپنے فضل سے دوسرا دروازہ کھولنے والا ہے، کبھی کبھی دیر ہوجاتی ہے۔ ہمارے ایک دوست ابھی بھی ہیں، ان کو اولاد نہیں، تیس برس ہوگئے! تیس برس کے بعد ان کے یہاں اولاد ہوئی۔ اب کون ناامید ہو؟ ایک دوسرا بھی میرا ساتھی ہے، اس کو بھی کوئی اولاد نہیں تھی، دس برس کے بعد ابھی اس کے وہاں لڑکی پیدا ہوئی۔

کام کرتے رہو، ناامید نہ بنو:

اپنی ضرورتوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ ناامید نہ بنو۔ دین کے کام میں بھی یہی حکم ہے کہ دین کے کام کرتے رہیں ناامید نہ بنیں۔ آج اگر ہدایت کا وقت نہیں آیا تو کل آئے گا، کل نہیں آیا تو پرسو آئے گا، ھدایت کا وقت آئے گا تو اللہ ھدایت کھول دیں گے، اس لئے کوئی نبی ناامید نہیں ہوئے کہ بہت سال ہوگئے کوئی آتا نہیں ہے اب کیا کریں۔ اس لئے کوئی ناامید نہ بنے، نہ اپنی ضرورت کے بارے میں، نہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں۔ اپنی ذمہ داری پوری کرو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ یہ حکم ہے کہ ''اَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْامَایَسُرُّکُمْ'' خوش ہوجاؤ، بشارتیں لو، خوشخبریاں لو اور اللہ سے امیدوار رہو۔ اللہ ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کردیں گے، اللہ بڑی قدرت والا ہے، اس کی قدرت ہے، اور وہ حکمت والا ہے، اس کی حکمت ہے۔

دعوت میں اللہ ہی کا تعارف ہو:

دعوت میں اللہ تعالیٰ ہی کا تعارف زیادہ ہونا چاہئے کہ اللہ کون ہیں؟ نبی اپنی دعوت میں خدا کی خدائی کو بولتے ہیں تا کہ اللہ کی طاقت پر، اس کے فیصلوں پر یقین ہو جائے۔ دیکھو! اللہ نے یہ دیا ہے، یہ کیا ہے، وہ کیا ہے۔ اللہ نے بھی ایسے کام بیان کئے ہیں جو قدرت پر یقین بڑھاوے، ایمان بڑھاوے۔ دیکھو! میں نے انسان کو ایک بوند پانی سے پیدا کیا، وہ پانی بھی اچھا نہیں، ناپاک ہے۔ آدمؑ کی اولاد اسی سے پیدا ہوئی ہے۔ ﴿أَلَمۡ نَخۡلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ (سورۂ مرسلات: ۲۰) کیا ہم نے تمہیں ایک ناقدر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ کتنی بڑی قدرت کہ پانی سے نقشہ بنایا! پانی پر کوئی نقشہ بنتا نہیں ہے؟ کاغذ پر تو بنے گا، دیوار پر بنے گا، لکڑی پر بنے گا، لیکن پانی پر نہیں بنتا۔ انسان کی شکل وصورت پانی پر بنائی، یہ بڑی قدرت کی بات ہے۔ پھر جب صورت تیار ہوئی اور بچہ تیار ہو گیا اور ماں جب اس کو نہلا دھلا کر مجلس میں لاتی ہے تو اس بچہ پر سب کو پیار آتا ہے۔ اللہ ایک پانی کی بوند کو بڑی صورت بناتا ہے، سوچو! آج تک پانی پر کس نے نقشہ بنایا؟ پانی پر تو کیا، برف کی چھیل پر بھی نہیں بن سکتا۔

اللہ کی محبت دل میں ہو تو اطاعت آسان ہو جاتی ہے:

میرے بھائیو! اللہ اپنی قدرت سے بھی بناتے ہیں اور حکمت سے بھی بناتے ہیں۔ حکمت سے دیتے ہیں حکمت سے لیتے ہیں۔ اس لئے اللہ پر ایمان لاویں، اللہ پر یقین رکھیں، اور اللہ سے اچھا گمان رکھیں، اللہ سے محبت کریں، ایمان کا ایک درجہ

ہے کہ اللہ سے محبت کریں۔اس کی محبت میں اس کی اطاعت بھی کریں۔پھر وہ اطاعت بھاری نہیں ہوگی۔''﴿وَالَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ﴾(بقرہ:۱۶۵)''جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے محبت میں بہت سخت ہیں۔

ایمان کوسنوارنے کی بنیادی باتیں:

اعلی درجہ کی بات یہ ہے کہ محبت سے اللہ کی بات مانیں،اور کوئی غرض نہ ہو، صرف اللہ کو راضی کرنا ہو، اللہ کو خوش کرنا ہو، اللہ کا فضل حاصل کرنا ہو۔یہ سب باتیں اپنے ایمان کوسنوارنے کی باتیں ہیں۔اس لئے اپنا ایمان سنواریں،اللہ سے اپنا معاملہ صاف ستھرا رکھیں۔جب آدمی اللہ سے اپنا معاملہ صاف ستھرا رکھے گا،تو معاملہ اس کا لوگوں سے پڑے گا اللہ اس کو صاف ستھرا کردیگا۔''مَنۡ اَصۡلَحَ بَیۡنَہٗ وَبَیۡنَ اللّٰہِ اَصۡلَحَ اللّٰہُ مَابَیۡنَہٗ وَبَیۡنَ خَلۡقِہٖ''جو اپنا اور اللہ کا معاملہ ٹھیک کرلیگا تو اللہ اس کے اور مخلوق کے معاملہ کو ٹھیک کردیں گے۔یہ چابی بتائی ہے۔حضور ﷺ نے مدینہ منورہ پہونچ کر ایک بیان دیا تھا،اس بیان میں یہ بات فرمائی تھی۔

اللہ کی طرف سے جب معاملہ صاف ہوگا تو مخلوق کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی،یہ ایک بنیادی بات ہے، اور ساری دنیا کے لیے فرمائی ہے۔دنیا ذمہ داریوں کی جگہ ہے اس لئے ذمہ داریوں میں اللہ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں۔اللہ پر ایمان ہو،یقین ہو اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت ہو۔

گناہ ناممکن نہیں بلکہ عین ممکن ہے:

اگر آدمی سے کوئی گناہ ہوگیا، گناہ ہونا اور بھول ہونا کوئی ناممکن بات نہیں ہے، گناہ ہونا عین ممکن ہے۔انسان ہے اس لئے اس سے غلطی ہوگی، کچھ آگے پیچھے ہوگا۔کیوں؟ اللہ نے اس کو پیدا ہی ایسا کیا ہے۔اللہ نے انسان میں اپنی طاعت کا مادہ بھی رکھا ہے اور خواہشوں کا مادہ بھی رکھا ہے۔دونوں چیزیں رکھی ہیں۔

عقل انسان کی رہبری کے لیے ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلے عقل دی ہے، پھر عقل دیکر شریعت دی تا کہ نتیجہ سوچے۔عقل کی رہبری کے لیے شریعت آئی ہے۔جیسے آنکھوں کی روشنی ہے اور اس کے لئے چاند سورج کی روشنی۔کیوں کہ اگر اندھیرا ہو جائے تو پھر آنکھیں کام نہیں کریں گی۔اس لئے چاند سورج کی روشنی بنائی ہے۔ایسے ہی عقل دی ہے لیکن عقل رہبری کے لئے کافی نہیں ہے۔

دین وشریعت عقل کی رہبری کے لئے ہے:

اللہ تعالیٰ نے عقل کی رہبری کے لئے دین وشریعت دیئے ہیں۔اس لئے دین وشریعت کو سمجھو اور پھر اپنے آپ کو ان کا پابند کرو۔جب انسان عاقل، بالغ نہیں ہوتا حکم بھی واجب نہیں ہوتا۔عاقل بالغ ہوتے ہی حکم واجب ہو جاتا ہے۔بالغ ہوگیا یعنی عقل کو پہونچ گیا۔

متقی اور تائب کی جنت ایک:

میرے بھائیو! آدمی سے گناہ ہوجانا ناممکن بات نہیں ہے۔آدم علیہ السلام سے سے بھی بھول ہوئی۔آدم بھول گئے، کہ ان کی اولاد بھی بھول جائے گی، باپ کا اثر آتا ہے۔اس لئے اگر ہم سے بھول کر خطا ہوگئی یا گناہ ہوگیا۔اب کیا کریں؟ اب اللہ سے معافی مانگیں، یہی ہے مغفرت کا معنی۔اللہ تعالیٰ متقیوں کو جس جنت میں داخل فرمائیں گے،اسی جنت میں گناہ کر کے معافی مانگنے والوں کو بھی اتاریں گے۔متقیوں کے لئے تو جنت ہے ہی ہے،﴿وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾(سورۂ آل عمران:۱۳۳) آگے بڑھو اللہ کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔جو خرچ کرتے ہیں تنگی میں،اور وسعت میں بھی۔اور اپنے غصہ کو دباتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں۔متقیوں کی یہ صفت ہے کہ ہر حال میں خرچ کرتے ہیں،اور غصے کو دبا کر لوگوں کو درگذر کرتے ہیں،ایسے ہی احسان کرنے والوں سے بھی اللہ محبت کرتے ہیں،متقیوں اور محسنوں کے لئے جنت ہے۔

توبہ واستغفار کا بدلہ جنت:

اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی جنت ہے جن کے بارے میں فرمایا﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُم

مَّغۡفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَجَنَّاتٌ تَجۡرِیۡ مِن تَحۡتِهَا الأَنۡهَارُ خَالِدِیۡنَ فِیۡهَا وَنِعۡمَ أَجۡرُ الۡعَامِلِیۡنَ ﴾ (آل عمران: ۱۳۵،۱۳۶) ان لوگوں کے لئے بھی جنت ہے کہ جن سے گناہ ہوگیا، فحش کام ہوگیا پھر آئے اللہ کے سامنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ اے اللہ میں نے گناہ کیا ہے، "ظَلَمۡتُ نَفۡسِی" میں نے ظلم کیا، میں نے برا کام کیا ہے، میری مغفرت فرمادے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیری مغفرت کا بدلہ جنت ہے۔ بعض کو تقوی سے جنت دیتے ہیں اور بعض کو توبہ واستغفار سے جنت دیتے ہیں۔ لہذا اللہ سے ناامیدی کیسی؟ توبہ کرو کہ اے اللہ میں نے گناہ کیا ہے، معاف فرمادے، میں نے خطا کی درگذر فرمادے، تو اللہ کہتے ہیں، ہاں! ہاں! میں نے معاف کردیا۔ ہاں! ہاں! میں نے معاف کردیا۔

دعوت میں اللہ کی شان کھلتی ہے:

دعوت میں اللہ کی شان کھلتی ہے کہ اللہ کون ہے؟ اور اس کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اس کا تمہارے ساتھ فضل کا، کرم کا، مہربانیوں کا، عطاؤں کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کے شکرگذار بنو۔ شکایتیں مت کرو کہ میرا تو یہ ہوگیا، میرا تو یہ کھوگیا۔ شکایت کی کوئی ایک ہی چیز ہوگی اور نعمتیں بہت ساری ہوں گی، اگر آدمی کو بھوک آگئی تو شکایت کرتا ہے کہ میں بھوکا ہوں، ارے ابھی بھوک ہی تو آئی ہے اس کے علاوہ کان سلامت، آنکھیں سلامت، زبان سلامت، بدن سلامت، اولاد سلامت، مال سلامت۔ اتنی ساری سلامتی اور صرف بھوکا رہنے کی وجہ سے شکایت! ایسا نہ کریں۔

بندہ بن کر دکھاؤ، بڑا بن کر نہیں:

میرے کہنے کی غرض یہ ہے کہ اللہ کو اس کا بندہ بن کر دکھاویں۔ یہ بڑی بات ہے کہ آدمی کی سمجھ میں آجائے کہ میرا کچھ بھی نہیں ہے، اے اللہ سب کچھ تیرا ہی ہے، تیرا دیا ہوا ہے، میں تو تیرا بندہ ہوں۔ تو دین کے جتنے کام ہوں گے، وہ بندہ بن کر کئے جائیں گے، بڑا بن کر نہیں۔ ساری نعمتیں تو اللہ کی دی ہوئی ہیں، تیرا تو کچھ بھی نہیں، تیرا تو وجود بھی تیرے ہاتھ میں نہیں! تیری حیات بھی تیرے ہاتھ میں نہیں! تو تو بڑا کیسے ہو گیا؟ اس لئے تدبیر یہ ہے کہ اپنے آپ کو بندہ بنائیں کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، میرا کچھ نہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے، یہ سکھایا گیا ہے۔ اس لئے دین کے کام کو اللہ کا بندہ بن کر کرو۔ جو نعمتیں آوے اس پر اللہ کا احسان مانو اور کہو کہ اے اللہ یہ سب تیری طرف سے ہے۔ صبح و شام کی دعاؤں میں آتا ہے "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ، فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ" اے اللہ جو نعمت بھی میرے ساتھ ہے یا کسی کے پاس بھی ہو سب تیری طرف سے ہے، کسی اور کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے میں تیرا شکر ادا کر رہا ہوں، یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ اللہ کا بندہ بننا اور اس کا شکر ادا کرنا اور ہر وقت اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی فکر میں رہنا ہے۔ پھر یہ کام آسان ہو جائے گا۔

نیکی کے کاموں میں سبقت کرنی چاہئے:

اسی طرح جو ہم سے بڑے ہیں، جو ہم سے اچھے ہیں ان کے جیسا بننے کی کوشش کرنا کہ انہوں نے ایسا کیا ہے، ایسا کیا ہے، تو ہم بھی ایسا کریں گے، ان کے جیسے عمل

بنائیں، ان کے جیسی اپنی ہستی نہ بنائیں۔ جیسے حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ جیسے عمل بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ خلیفہ بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ میں بھی ان کے جیسا خلیفہ بن جاؤں بلکہ یہ سوچتے تھے کہ ان کا جو اعمال ہیں جس سے اللہ راضی ہوگیا، ایسے میرے اعمال بھی بن جائیں، اس کو سبقت (آگے بڑھنے کی بات) کہتے ہیں۔ یہ ہونا ہی چاہیئے، اگر یہ نہیں ہوتا ہے تو پھر آدمی میں جمود آجاتا ہے۔

دین کا کام استقامت سے کرو:

افریقہ میں ہمارے ایک پرانے ساتھی تھے، ان کا انتقال ہوگیا، بہت قربانی والے تھے، دین کا کام بہت کرتے تھے، تو مجھ سے آکر کہتے کہ ساتھی لوگ سال کے چلہ میں جاتے ہیں، پھر جب آتے ہیں اور ان سے دین کے کام کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میں نے تو سال کا چلہ دے دیا، اب اگلے سال آنا، حالاں کہ یہ مقصد نہیں تھا۔ دین کا کام ہے، ذمہ داری کا کام ہے۔ آدمی زمین جوتتا ہے تو بارش کا انتظار کرتا ہے، بارش ہوجاتی ہے تو بوپائی کرتا ہے۔ پھر اس کی نگرانی کرتا ہے پھر کھاد دیتا ہے، پھر فصل آوے گی۔ صرف زمین جوتنے سے تھوڑے ہی فصل آتی ہے؟ جو ذمہ داری لی جائے گی وہ آگے بڑے گی۔ ذمہ داری کو آگے بڑھائیں گے تو حق ادا ہوگا۔

نفس خروج مقصود نہیں، ذمہ داری سمجھنا مقصود ہے:

چلہ لگانا مقصد تھوڑا ہی ہے؟ بلکہ وہ تو ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے ہے۔ خالی وقت پورا کرنے کے لئے نہیں ہے، ذمہ داری سمجھنے کے لئے گئے تھے کہ ہم پر کیا کیا

ذمہ داری آتی ہے۔اللہ کے راستہ میں رہ کر کہ ذمہ داریوں کو سمجھنا پھران کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور جو کرتے ہیں ان کی زندگی کو دیکھنا، پوچھ پوچھ کر چلنا، مان کر چلنا، یہ ترقی کا ذریعہ ہے، ورنہ جمود ہے کہ بس وقت لگ گیا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔اپنے آپ کو اللہ کے راستہ میں چلانا ہے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے۔یہ غرض ہے، نفس خروج مقصود نہیں ہے۔صرف خروج مقصود بالذات نہیں ہے، جیسے خالی چکی کا پھرنا مقصود نہیں ہے بلکہ دانے ڈالو اور پھراؤ، بغیر کچھ ڈالے ہوئے خالی چکی چلانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ہماری دین کی حرکت سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے ہے۔اللہ کے راستہ میں پھرتے پھرتے دین کی سمجھ پیدا ہوجائے تو سمجھو کہ کامیاب ہوگئے۔﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّيْنِ﴾(سورۃ توبہ:۱۲۲) لوگ دین کے لئے نکلے تا کہ دین کی سمجھ حاصل ہو۔

دین کی سمجھ پیدا ہونے کی نشانی:

وقت پورا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ دین کا سمجھنا مقصود ہے، دین کی سمجھ کی کیا نشانی ہے؟ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اندر اپنی آخرت بنانے کی فکر پیدا ہوجائے کہ مجھ کو میری آخرت بنانی ہے کیوں کہ مجھ کو آخرت میں سدا رہنا ہے۔یہ دینی سمجھ کی ایک نشانی ہے۔"مَنْ يُرِيْدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرے گا اس کو اپنے دین کی سمجھ دیگا، یہ حدیث کا مضمون ہے۔اپنی دنیا سے آخرت بنانے کی فکر آوے یہ دینی سمجھ کی نشانی ہے۔ایک حدیث میں صراحۃ اس

بات کوفر مایا کہ ”اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ“سمجھ دار اور باہوش آدمی وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پائے اور موت کے بعد کام آنے والا عمل آج کرے، یہ سمجھ دار اور ہوشمند ہے۔علماء نے اس کو دین کی سمجھ کی علامت لکھا ہے۔

آخرت کا نقصان بھاری ہے:

آخرت کا نقصان نہ کرے، آخرت کا نقصان بہت بھاری ہے اور دنیا کا نقصان ہلکا ہے، وہ تو کور بھی ہو جاتا ہے، ہمارے ایک دوست کے یہاں چوری ہوگئی وہ آئے اور کہنے لگے کہ میرے یہاں چوری ہوگئی ہے اور چوروں نے کچھ چھوڑا ہی نہیں، سب کچھ لے گئے، بیچارہ مالی اعتبار سے نرادھار ہو گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ دوسرے شہر چلا گیا، وہاں پھر سے کام جم گیا، کمائی ہوئی تو مالدار ہو گیا، پہلے گاؤں میں صرف ایک گھر تھا، پھر دوسرا گھر خریدا۔ چوری والا سارا نقصان پورا ہو گیا۔لیکن اگر آخرت کا نقصان ہو گیا تو وہ پورا نہیں ہوگا کہ جس نے رمضان میں ایک روزہ چھوڑ دیا تو ساری عمر روزہ رکھے تو بھی اس کا بدل نہیں ملے گا۔اور جس کی ایک نماز فوت ہوگئی تو گویا کہ اس کا مال جان سب تباہ ہو گیا، یہ مثال ہے۔اس لئے سمجھ دار وہ ہے جو آخرت کا نقصان نہ کرے۔

آخرت کو دنیا پر ترجیح دو:

حدیث میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ جو آخرت کی طرف دھیان دے گا اس کی دنیا کا نقصان ہوگا،اور جو دنیا کی طرف دھیان دے گا اس کی آخرت کا نقصان ہوگا۔ یہ دو

پلے ہیں کہ ایک کی طرف دھیان دوگے تو دوسرے کا نقصان ہوگا تو ایسی صورت میں کیا کرنا ہے؟ تو فرمایا ''آثروا ما ابقی علی ما افنی ''جو چیز باقی رہنے والی اس کو جھکا دو اس پر جو فنا ہونے والی ہے۔ دنیا فنا ہونے والی ہے، آخرت فنا ہونے والی نہیں ہے۔ یہ رہبری ہے کہ دین کا کام کرتے ہوئے دنیا کا نقصان ہوگا۔ جب دین و دنیا کا مقابلہ پڑ جائے تو دین کو ترجیح دو۔ یہ دین کے سمجھ دار ہونے کی علامت ہے کہ وہ اپنی آخرت بناتا ہوا کام کرے گا۔

دنیا آخرت بنانے کے لئے دی گئی ہے:

دنیا کیوں دی گئی؟ دنیا آخرت سنوارنے کے لئے دی گئی ہے، جیسے لوگ زمین دیتے ہیں کہ زمین کیوں دی گئی ہے؟ زمین اس لئے دی گئی ہے کہ اس میں کھیتی ہو، اور اس سے پیداوار ملے۔ دنیا یہ بھی آخرت کی کھیتی ہے، ''الدینا مزرعة الآخرة '' صحابہؓ جب دین کو لے کر دنیا میں پھرتے تھے تو لوگوں سے یہی ایک بات کہتے تھے کہ ''اِنَّ ھِمَمُنَا الآخِرَۃ وَلَیُسَتُ ھِمَمُنَا الدُّنیَا'' کہ ہمارے عزائم وارادے آخرت بنانے کے ہیں، ہم اسی لئے پھر رہے ہیں، اسی لئے ہم دنیاوی نقصان کو برداشت کر رہے ہیں۔ ہم اپنی دنیا بنانے کے لئے نہیں پھر رہے ہیں۔

نادانی کی بات:

اصل اور عقلمندی کی بات یہ ہے موت سے پہلے پہلے اپنی آخرت بنالے، عقلمندی کی بات ہے کہ اپنی دنیا سے اپنی آخرت بنا وے۔ اور نادان کون ہے؟ نادان وہ ہے

جو اپنی دنیا سے فقط دنیا بناوے، جیسے قارون نے کیا، قارون کو دنیا دے کر یہ دعوت دی گئی تھی کہ ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ﴾ تجھ کو اللہ نے جو دے رکھا ہے اس سے تو اپنی آخرت بنالے، صاف صاف بات کہی تھی، ﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ تو اپنا حصہ مت بھول۔ اس نے اپنی دنیا سے آخرت نہیں بنائی، نافرمانی کی تو دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔

دین کے کام میں دوام واستقامت پیدا کرو:

یہ بات صرف قارون کے لئے نہیں ہے، قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جو ساری دنیا کے لئے ہدایت ہے۔ جس کسی کے پاس دنیا ہو، جتنی بھی ہو، وہ اپنی دنیا سے اپنی آخرت بنالے، یہ قاعدہ ہے۔ اور اس پر دوام واستقامت پیدا کرے، گاہے گاہے اور کبھی کبھی کرلیا ایسا نہیں بلکہ استقامت پیدا کرے۔ دین کے کام کرنے والے اپنے کام میں دوام واستقامت پیدا کریں، اپنے آپ کو پابند بنائیں۔ یہ ھدایت اللہ تعالیٰ اپنے بندے نبیوں کو دیتے ہیں۔ جو ذمہ داری دی گئی ہے اس کی پابندی کرو۔ حضور ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا" ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۲) اے نبی پابند ہو جایئے، کیسے پابند؟ کہ جیسا حکم ملا ہے ایسے پابند ہو جایئے۔ حضور ﷺ پر سورۂ ہود کی یہ آیت بہت بھاری تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بڑھا کر دیا۔

صرف پانچ کام دین نہیں ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دیکھ کر یوں فرماتے تھے کہ ''لیست لہ الراحۃ'' کہ آپ ﷺ کے لئے زندگی کوئی راحت نہیں ہے، ذمہ داری اور پابندی کی وجہ سے آپ کو راحت نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے سبق ہے کہ دین کے کام کے لئے اپنے آپ کو یکسو کرنا، اپنے آپ کو کام کا پابند بنانا، تو کام سے مراد صرف پانچ کام نہیں بلکہ دین کے کام ہیں۔ پورے دین پر ہم آویں۔

استقامت کی بہترین مثال:

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ تسبیح فاطمہ والی حدیث (۳۳ ر مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ ر مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ ر مرتبہ اللہ اکبر) نمازوں کے بعد اور سوتے وقت مجموعی طور پر چھ مرتبہ، جب سے میں نے سنی، تب سے میرا یہ عمل فوت نہیں ہوا۔ مجمع میں سے کسی نے سوال کیا کہ فلاں میدان جہاد میں جس میں بہت بڑی جنگ ہو رہی تھی، اس میں آپ رات دن مشغول تھے، آپ نے فرمایا اس میدان میں بھی یہ تسبیحات میں نے پوری کی ہے۔ یہ استقامت کی مثال ہے۔ حالانکہ یہ عمل تسبیحات فاطمہ پڑھنا شرعی طور پر مستحب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے، تو کیا حضرت علی نہیں جانتے تھے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ ان کو سب معلوم تھا، لیکن یہ سب یعنی واجب ہونا، فرض ہونا، مستحب ہونا یہ تو دلیل پر ہوتا ہے، ان کو تو یہ حکم ملا تھا کہ یہ کرو۔ اس لئے اس کو پورا کرنا ہے۔

عمل کی پابندی اثر کر کے رہتی ہے:

ہماری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کے کاموں میں دین کی محنتوں میں اپنے آپ کو منسوب کیا ،لوگ اس نسبت سے جانتے ہیں، اس لئے اپنے اندر استقامت پیدا کرنی ہے، پابند بننا ہے کہ حتی الامکان کوئی عمل فوت نہیں ہونا چاہئے۔دیکھئے کہ حضرت علیؓ نے کیسی پابندی کی، حالانکہ مستحب عمل ہے،فرض بھی نہیں ہے۔جب آدمی کسی عمل کا پابند بنے گا،تو اس عمل کا اس پر اثر ہوگا۔پابندی نہیں ہے تو اثر بھی نہیں، جیسے دوا کہ اس کی پابندی ہے تو اثر ہے اور پابندی نہیں تو اثر بھی نہیں۔یا یہ کہ دوا کی پابندی ہے لیکن پرہیز نہیں ہے،تو بھی اثر نہیں ہوگا۔

استقامت کس کو کہتے ہیں؟:

استقامت میں دونوں باتیں ہیں کہ جو کرنا ہے وہ تو کرنا ہی ہے اور نہ کرنے کے کام سے بچنا بھی ہے۔دوا میں پابندی کے ساتھ پرہیز ہوتا ہے کہ یہ مکمل علاج ہے، ایسا علاج اثر کرے گا، اسی طرح جب آدمی عمل کا پابند بنے گا وہ عمل اس پر اثر کرے گا۔دعوت کا ایک اثر ہے،عبادت کا ایک اثر ہے، خدمت کا ایک اثر ہے،فرائض کا ایک اثر ہے،حرام سے بچنے کا ایک اثر ہے۔جیسے کھانے میں جو جو چیز پڑتی ہے وہ کھانے میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔نمک کا الگ اثر، ٹماٹر کا الگ اثر، آگ کا اثر، پانی کا الگ اثر ہے، یہ سارے اثرات ملکر کھانا کھانے کے قابل بنتا ہے۔تمام اثرات جمع ہوتے ہیں، تب

جا کر وہ کھانا کھانے کے قابل بنتا ہے ، اور کوئی بیچنے والا ہے تو بیچنے کے قابل بنتا ہے۔قابل ہوگا تو لوگ خریدیں گے۔کیوں کہ اس میں سارے اثرات جمع ہیں۔

نماز کے لئے اپنے پیٹ اور پیٹھ کو ہلکا رکھو:

اسی طرح کا معاملہ دین میں بھی ہے ،نماز کا بھی ایک اثر ہے،اللہ نے نماز کو سَستی والی نہیں بنائی۔ہم لوگوں نے تبلیغ والوں نے نماز کو بہت سستا بنا دیا ہے کہ ہلکی پڑھ لو۔یہ الگ بات کہ عذر ہے،سفر ہے۔فرمایا کہ نماز کی پابندی کرو،نماز کی حفاظت کرو۔خالی نماز پڑھنے کو نہیں کہا بلکہ یوں کہا کہ نماز قائم کرو،اس کے لئے نماز کی سنتیں ،نماز کے مستحبات ،اس کے اوقات کی رعایت یہ سب ضروری ہے تب جا کر یہ نماز اثر کرے گی۔عمل کی پابندی کے ساتھ دین کی محنت کرنا۔حدیث میں ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے پیٹ کو اور پیٹھ کو ہلکا رکھو،تا کہ نماز میں جان پڑے۔یہ ہے فضائل اعمال میں کہ نماز کے لئے اپنے پیٹ کو ہلکا رکھو تا کہ نماز میں جان پڑے اور پیٹھ کو ہلکا رکھو کہ زیادہ جھگڑوں میں نہ الجھو کہ جس کی الجھنیں زیادہ ہوں گی اس کا نماز میں دھیان کم ہوگا۔

ہر عمل میں درمیانی چال چلو:

اپنے عمل کو ٹھیک اور صحیح کرنا ہے تا کہ اللہ کو پسند آجائے۔اللہ تعالیٰ عمل کی خوبی اور عمل کرنے والے کی نیت کی خوبی کی وجہ سے عمل کو قبول کرتے ہیں،اپنے عمل میں ایسی استقامت ہو کہ سالہا سال گذر جائے لیکن عمل فوت نہ ہو۔اس کے لئے

درمیانی چال چلو، جوش میں آگے مت چلے جاؤ ورنہ تھک کر چھوڑ دو گے، اور سستی میں پیچھے نہ رہ جاؤ ورنہ ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔ لہذا بیچ کی چال چلو، اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے رہو، جتنی طاقت دی ہے اتنا عمل کرو۔ طاقت سے زیادہ تو اللہ بھی نہیں کہے گا، جتنی طاقت ہے اتنا ہی انسان کو مکلّف بنایا ہے۔

کام کا بوجھ لو تا کہ استقامت اور قبولیت آوے:

میرے بھائیو! دین کی طاقت کا بوجھ اپنے ذمہ لو۔ جس طرح دنیا کے کاموں کا بوجھ لیتے ہو کہ گھر بنانا ہے تو بوجھ، شادی کرانا ہے تو بوجھ، علاج کرنا ہے تو بوجھ۔ جیسے دنیا کا بوجھ لیتے ہیں ایسے ہی دین کے کاموں میں بھی بوجھ لو۔ اس سے کام میں استقامت اور قبولیت آئے گی۔ اس لئے استقامت کے ذریعہ سے اپنے آپ کو دین کے کام کا لائق بنانا ہے۔ پھر اللہ ان کے کاموں کی تعریف کریں گے، جیسے نبیوں کے کاموں کی تعریف کی۔ نبیوں کے تابعداروں کی تعریف کی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو تابعداری کا پابند بنایا تھا۔

دنیا حالات کا گھر ہے:

استقامت اس لئے پیدا کرنی ہے، کیوں کہ دنیا حالات کا گھر ہے۔ آدمی پر حالات آتے ہیں، جیسے بچپن آیا، جوانی آئی ، بڑھاپا آیا، کوئی چاہے نہ چاہے مگر یہ آویں گے۔ ایسے ہی دوسرے حالات بھی آئیں گے، کبھی مالداری آگئی، غریبی آگئی، بیماری آگئی ، تندرستی آگئی، کیوں کہ دنیا ہے ہی حالات کا گھر، آدمی کو حالات میں پیدا کیا گیا ہے۔

حالات میں کیسے چلیں؟:

حالات آوے تو دو باتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ حال کے حساب سے چلو، دوسرا یہ ہے کہ حکم کے حساب سے چلو۔ اگر حال کے حساب سے چلے تو کامیابی نہیں ملے گی، جیسا حال ہوگا ایسا کام کریں گے، یہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اور حکم کے حساب سے چلے گا تو کامیاب ہوگا، جیسے بیمار ہوگیا، تو کیا نماز نہ پڑھے، حالات آئے تو مسئلہ پوچھے کہ میں بیمار ہوگیا ہوں نماز کیسے پڑھوں؟ طریقہ معلوم ہوگا، جتنے حالات پیدا ہوں گے اتنے طریقے معلوم ہوں گے، نماز تو پڑھنی پڑے گی، اسی کو شریعت وسنت کہتے ہیں۔

ہمارے دین میں تو آسانی ہے:

جو شریعت وسنت کا علم لے گا اس کے لئے دین آسان ہوجائے گا اور جو جاہل رہے گا وہ اپنے دین میں تنگی محسوس کرے گا۔ حضرت علیؓ کی ہڈی ٹوٹ گئی تو حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میری ہڈی ٹوٹ گئی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پٹہ باندھ دو اور اس پر مسح کرلو۔ دیکھئے دوسرا طریقہ معلوم ہوا کہ اگر وضوء میں ہاتھ دھویا نہیں جاتا تو مسح کرلو۔ ہمارے دین میں آسانی ہے۔ حکم نہیں بدلے گا، نماز تو پڑھنی ہی پڑے گی، وضوء تو کرنا ہی پڑے گا، ہاں! طریقہ بدلے گا۔ اس لئے پوچھنا ضروری ہے، تو عمل صحیح ہوگا۔ علم وذکر اسی لئے دیا گیا تاکہ عمل صحیح ہو۔ عمران بن حصینؓ بہت بیمار رہتے تھے تو وہ اکثر مسائل پوچھتے رہتے تھے کہ میں کیسے نماز پڑھوں۔ آپ ﷺ ان کو طریقے بتاتے رہتے تھے کہ ایسے پڑھو، ایسے پڑھو۔ آپ کے ذریعہ سے بہت سارے معذوری کے

مسائل معلوم ہوئے ہیں۔دعوت بغیر علم وذکر کے نہیں ہے۔جو حال آوے اس کو پوچھ کر کریں، مال آجاوے تو پوچھیں کہ مالداری میں کیا کرنا چاہئے، کیا کیا حقوق ہیں مجھ پر مال کے، کمائیاں علم والی ہو، حضرت فرماتے تھے کہ اپنی کمائیوں کو بھی علم والی بناؤ کہ یہ کمائی صحیح ہے، یہ کمائی صحیح نہیں ہے۔اپنی کمائیوں کو علم پر لاؤ تاکہ وہ دین بنیں، جہالت کی کمائی دین نہیں بنتی ہے۔علم والی تجارت ہوگی وہ بھی دین بن جائے گی۔

سچا تاجر نبیوں کے ساتھ ہوگا:

اپنی کمائیوں کو دین بناؤ، جیسے نماز کے فضائل ومسائل ہیں ایسے ہی تجارت کے فضائل ومسائل ہیں۔روزہ ، حج کے فضائل ومسائل ہیں، ایسے کمائیوں کے مسائل وفضائل ہیں کہ تجارت کی یہ فضیلت ہے، دکان کی یہ فضیلت ہے۔دکان کرنا صرف دنیاداری نہیں ہے، بلکہ یہ دین داری بھی ہے۔سچا اور ایماندار تاجر نبیوں کے ساتھ ہوگا، تجارت کی فضیلت ہے، کھیتی کی فضیلت ہے، مزدوری کی فضیلت ہے۔ان کے مسائل بھی ہیں۔لہذا جب یہ چیزیں دین بنے گی تو ان کے مسائل بھی پوچھنے پڑیں گے۔مسائل پر عمل ہوگا تو اس کی فضیلت ملے گی۔حضرت فرماتے تھے کہ اپنی ضروریات کے بھی اسلام میں فضائل بتائے ہیں کہ تجارت ضروری ہے، کھیتی ضروری ہے، نوکری ضروری ہے، ٹھیک ہے، کرو لیکن اس کا علم حاصل کرو، اور اس پر عمل کر کے اس کو دین بناؤ۔پھر مسلمان ہر حال میں کامیاب ہے۔تاجر ہو تو کامیاب، مزدور ہو تو کامیاب، زمین دار ہو تو کامیاب، الغرض ہر حال میں کامیاب ہوگا۔

مسلمان دنیادار ہوتا ہی نہیں:

مسلمان کبھی دنیادار ہو ہی نہیں سکتا، کافر دنیادار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا آخرت پر ایمان نہیں ہے۔وہ جنت ودوزخ کو جانتا نہیں اس لئے وہ اس کی تیاری نہیں کرتا۔اوروہ ان کو مانتا نہیں ہے، اس لئے وہ تو دنیادار ہے، دنیا کے لئے دنیا بناتا ہے ۔اورمومن کی تو دنیا بھی ہے، آخرت بھی ہے۔اللہ نے اگراس کو دنیا دی تو دنیا کو بھی سنبھالے گا، تاکہ وہ عذاب نہ بنے۔اوراس دنیا سے اپنی آخرت بنائے گا اس لئے دونوں جہاں میں کامیاب۔

مسلمان بازار میں رہ کر بھی ولی ہے:

علم وذکراس لئے دیا گیا کہ اپنی دنیا کو دین بناؤ۔پوچھ پوچھ کر، یاد کر کے، یہ حکم ہے، یہ طریقہ ہے، اپنی دنیا دین بن جائے گی، پھر مسلمان بازار میں رہ کر بھی ولی ہے۔صحابہ بازاروں میں ہوتے تھے، مسجد میں نہیں بیٹھے رہتے تھے۔بڑے بڑے کاروبار کرتے تھے، ان کے کاروبار علم وذکر کے ساتھ ہوتے تھے۔پھران کاروبار کی برکتیں ملتی تھیں۔حضرت علی فرماتے تھے کہ "سوق المسلمین کمصلاھم" مسلمانوں کے مارکیٹ ایسے ہوتے ہیں جیسے ان کی مسجد ہوتی ہے۔جیسے مسجد میں غلط کام نہیں کرتا، بازار میں بھی غلط کام نہیں کرے گا۔جیسے مسجد کی فضیلت ہے کہ ایک نماز پڑھو تو پچیس نمازوں کا ثواب ملے۔اسی طرح بازار میں جا کر بازار کا کلمہ پڑھے تو کتنی نیکی ملے؟ تیس لاکھ نیکی ملے۔صحابی بازار جاتے تھے، اور ایک کونے سے دوسرے

کونے تک چلے جاتے تھے، کچھ بھی نہیں خریدتے تھے،ان کے خادم نے کہا کہ آپ بازار جاتے ہیں، کچھ خریدتے تو ہیں نہیں، آپ صرف جاکر واپس آجاتے ہیں۔تو انہوں نے جواب دیا او بڑے پیٹ والے! (اس خادم کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو بازار میں سلام کرتے ہوئے گذرتے ہیں،اور بازار کا کلمہ پڑھتے ہیں۔تو جیسے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے تو پچیس نماز کا ثواب،ایسے بازار میں کلمہ پڑھنے سے تیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔حضرت فرماتے تھے: سُوقُ الْمُسْلِمِيْنَ كَمُصَلَّاهُمْ'' مسلمانوں کے بازار کیسے ہوتے ہیں؟ کہ ان کے بازار ان کی مسجدوں جیسے ہوتے ہیں، یہاں بھی کمائی کرتے ہیں وہاں بھی کمائی کرتے ہیں۔

حلال کمانا اور حرام سے بچنا بڑی عبادت ہے:

حدیث شریف میں ہے: اِتَّقِ الْمَحَارِم تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاس 'تو حرام کاموں سے بچ جا پھر خدا کا سب سے بڑا عبادت گذار ہے۔حرام سے بچ کر زندگی گذاری ہے تو یہ آدمی اللہ کا بڑا عبادت گذار ہے۔زیادہ نفلیں نہیں پڑھیں، زیادہ ذکر نہیں کیا، زیادہ خیرات نہیں کی،لیکن اپنے آپ کو حرام کاموں سے بچاتا رہا۔یہ بڑا عبادت گذار ہے۔اسی طرح حلال کمانے والا کہ جیسے نماز و روزہ فرض ہیں،ایسے حلال روزی کمانا یہ بھی فرض ہے۔تو حلال کمانے میں بھی اس کو فضیلت ملے گی۔''كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ'' حدیث شریف میں ہے۔

اپنے رہن سہن میں انصاف پیدا کرو

ہمارا لین دین، ہماری خرید وفروخت یہ بھی عبادت ہے۔اگراس کوعلم وذکر کے ساتھ، پوچھ پوچھ کرلیا گیاتو پھر یہ بھی ہماری آخرت کی کمائی ہے۔اسی طرح لوگوں کے ساتھ رہن سہن ہمارا کیسا ہو؟ ہم لوگوں کے ساتھ کیسے رہیں؟ دنیا والےتو اپنے رہن سہن میں لڑتے ہیں، ہم کولڑنا منع کیا ہے۔لڑائی حرام ہے،اپنے رہن سہن میں انصاف پیدا کرو۔ یہ چوتھا نمبر ہے۔

انصاف واحسان کا مطلب:

انصاف پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے؟اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کروگے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو۔ جو اپنے لئے ناپسند کروگے وہ اپنے دوسروں کے لئے بھی ناپسند کروگے۔ یہ رہن سہن کی پہلی بنیاد ہے۔اس کو انصاف کہتے ہیں،اس لئے انصاف سے رہو،تا کہ کسی کا حق نہ مرے۔حضور ﷺ پر انصاف فرض ہوگیا ،آپ انصاف کرتے تھے ،اور انصاف والی زندگی گذارتے تھے۔ ہر مسلمان انصاف سے رہے۔دوسرا انصاف سے آگے احسان ہے۔لوگوں پر احسان کریں،یعنی اپنی جان ومال سے لوگوں کو فائدہ پہونچائیں۔اس کو اخلاق بھی کہتے ہیں۔میری جان ومال سے دوسروں کونفع پہونچے۔اس کواحسان کہتے ہیں۔دین میں انصاف بھی ہےاوراحسان بھی ہے،فرمایا کہ تول کردواور جھکتادو،’’زِنْ وَارْجِحْ‘‘

تول کر دینا انصاف ہے، یہ واجب ہے۔ ایسے ہی مال بھی جھکا کر دواور صحیح صحیح دو، دودھ صحیح نہیں تو کیسے پیسے لے گا، پانی کے پیسے لے گا،تول کر دو،صحیح دو۔ پورا تولنا فرض ہےاور جھکتا دینا احسان ہے۔ پیسے لیے ہیں تو پورا دو۔ ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ صحیح صحیح ترازو سے پورا پورا دو۔ یہ واجب ہےاور حق ہے۔ جھکتا دینا یہ اپنی طرف سے احسان ہے۔

اخلاق بلند ہوں گے دعوت کامیاب ہوگی:

مخلوق کے ساتھ احسان کرو، اللہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا،لوگوں کے ساتھ رہن سہن کا طریقہ بتایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ کیسے رہیں گے؟ انصاف سے رہیں گے، اور لوگوں پر احسان کریں گے۔ نفع پہونچائیں گے۔اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ دین کی دعوت میں اخلاق کا بڑا اثر ہے۔ جتنے اخلاق بلند ہوں گے اتنی دعوت کامیاب ہوگی۔اس لئے رسول اللہ ﷺ کو سب سے اونچے اخلاق دیئے گئے۔ کیوں کہ آپ کے سامنے جاہلیت تھی۔ جاہل اندھا ہوتا ہے، وہ کچھ نہیں جانتا۔ جاہلوں کے سامنے جاہلیت کرے تو جہالت بڑھ جائے گی، جیسے آگ میں پٹرول ڈال دے، لہذآپ ﷺ نے جہالت کے مقابلے میں اخلاق دکھائے۔آپ ﷺ کو بلند اخلاق دیئے گئے تھے۔

دعوت میں نکلنے والے اخلاق کی مشق کریں:

اللہ کے راستہ میں نکلنے والے اپنے اخلاق کی مشق کریں، کیوں؟ اس لئے کہ مختلف قسم کے لوگ ملیں گے۔ سخت مزاج والے بھی ہوں گے اور نرم مزاج والے بھی

ملیں گے۔قبول کرنے والے بھی ملیں گے، رد کرنے والے بھی ملیں گے۔ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں اور صبر سے کام لیں۔گھر والوں کے ساتھ بھی اخلاق سے کام لیں، ورنہ گھر میں نفرت اور باہر دعوت ہوگی۔اس لئے گھر والوں کے ساتھ صبر سے کام لو۔نرمی کرو۔کیوں کہ ان کا ساتھ لینا ہے،ان کو چھوڑ کر کام نہیں کرنا۔

حالات کے اعتبار سے نبیوں کی دو قسمیں:

نبیوں پر دو قسم کے حالات آئے ،ایک قسم وہ ہیں جن کے گھر والوں نے ساتھ نہیں دیا، بلکہ مخالفت کی۔نبیوں پر حالات آئے۔حضرت لوط علیہ السلام کی عورت بہت نافرمان تھی۔نوح علیہ السلام کی عورت بھی بہت نافرمان تھی۔تو ان نبیوں کو ان کی بیویوں کی نافرمانیوں کی وجہ سے بہت کچھ صبر کرنا پڑا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان دونوں عورتوں کو ظاہر کرے گا۔یہ ہمارے نبیوں کے گھر میں رہی اور کافر رہی۔اس لئے فیصلہ ہوگا اور دیگر کافروں کے ساتھ دوزخ میں چلی جائے گی۔ایک وہ قسم ہے کہ جن کے گھر والوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ایک ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی دونوں بیویاں تابعدار رہیں، حضرت ھاجرہ کو کہا کہ میں تمہیں یہیں خانۂ کعبہ کے پاس چھوڑ کر جاؤں گا،تو انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے بتایا کہ اللہ کا حکم ہے۔تو جواب دیا ٹھیک ہے، اللہ کا حکم ہے تو ہم راضی ہیں، اللہ تعالیٰ برباد نہیں کرے گا۔کوئی ضد نہیں، کچھ نہیں، پھر برکتیں ملیں، خانۂ کعبہ بنا، زم زم اور یہ سب کچھ۔

ازواج مطہرات کا دین کی خدمت کرنا:

اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج نے پورا پورا ساتھ دیا۔آپ بھی ان کے ساتھ بہت نرم رہتے تھے۔اور صبر بھی کرتے تھے،کیوں؟ کیوں کہ بیوی ہے۔دو تعلق تھے، میاں بیوی والا بھی تعلق ہے اور نبی اور امت والا بھی تعلق ہے۔ایک بیوی نہیں، گیارہ بیویاں تھیں،اس لئے بہت صبر کرتے تھے، بیوی ناراض ہوجاتی تھی، منہ چڑا کر بیٹھ جاتی تھی تو آپ صبر کرتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ابوبکر نہیں برداشت کرتے تھے اور حضور برداشت کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ کی آواز بلند تھی،تو کبھی کوئی بات گرزتی تھی آپ پر۔زور سے چلاتی تھی۔ابوبکر مسجد میں سنتے تھے۔مسجد میں عائشہ کو مارنے کے لئے آتے تھے تو حضور بچاتے تھے۔پھر جب معاملہ ٹھنڈا ہوا تو حضور ﷺ نے عائشہ سے کہا کہ عائشہ! دیکھ لیا تم نے۔میں نے بچایا ورنہ مار پڑتی۔سمجھاتے تھے اور صبر کرتے تھے۔عورتیں ہیں، ان کے تقاضے ہیں،لہذا آپ نبی ہونے کی حیثیت سے رہبری بھی کرتے تھے اور شوہر ہونے کی حیثیت سے حق بھی ادا کرتے تھے۔وہ بیویاں بھی وفادار تھیں،حضور ﷺ کے کام میں ساتھ دیتی تھیں۔حضور ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے دین کو پھیلایا۔امیر کی اجازت سے ہر سال حج میں جاتی تھی۔اس زمانہ میں خلیفہ اجازت دے تو حج کر سکتے تھے، حج میں جانے کا مقصد تبلیغ ہوتا تھا۔کیوں کہ امت آئے گی،ان کو بتانا تھا کہ حضور ﷺ کا اپنے گھر میں کیا عمل تھا،آپ پر کیا وحی آئی،کیا احکام آئے۔اس کی تعلیم وتبلیغ کے لئے یہ حج ہوتا تھا،دنیا بھر کے مسلمان حج

میں آتے تھے۔ان کو تبلیغ کرنی ہوتی تھی۔حج میں حلقے لگتے تھے،انہیں تعلیم دیتی تھیں، انہیں درس دیتی تھیں،انہیں احکامات سکھاتی تھیں۔حضور ﷺ نے اپنے حیات میں تبلیغ کی،اورآپ کی وفات کے بعدامہات المؤمنین نے تبلیغ کی۔حضور کی بیبیوں نے دین کے کام میں آپ کا ساتھ دیا۔

اپنے گھر والوں کو دین سکھاؤ:

اس لئے کہا جاتا ہے کہ گھر والوں کو دین سکھاؤ، تاکہ وہ تمہارے لئے معاون بنیں، رکاوٹ نہ بنیں۔نہیں تو پریشانی کھڑی ہوگی۔رشتہ داروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ،جن جن کے ساتھ ہمارا تعلق ہے،ان کے ساتھ ہمارا انصاف کا معاملہ ہواور احسان کا معاملہ ہو۔جو اپنے لئے پسند کریں وہ ان کے لئے بھی پسند کریں۔اسی طرح ان کے ساتھ احسان کا سلوک کریں گے۔اپنی طرف سے جو خدمت بھی کرسکتے ہیں کریں گے۔صحابہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اس لئے ان کا معاملہ ومعاشرہ خراب نہیں ہوتا تھا، ماحول نہیں بگڑتا تھا۔

یہودی پڑوسی کے ساتھ ابن عمرؓ کا معاملہ:

حضرت ابن عمرؓ ہمیشہ اپنے گھر والوں سے پوچھتے تھے کہ پڑوسی کے یہاں کیا بھیجا، کیا دیا؟ پڑوس میں بزرگ تھوڑے ہی رہتے تھے؟ کون رہتا تھا معلوم ہے؟ یہودی رہتے تھے۔مدینہ میں یہود آباد تھے۔یہودی پڑوسی ہے، پھر بھی اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرتے تھے۔کیوں کہ وہ ہمارا پڑوسی ہے۔یہودی ہوگا وہ اپنی جگہ

پر۔اس کا یہودی ہونا وہ جانے ،ہمارا تو وہ پڑوسی ہے اور ہمیں تو حکم ہے کہ'' احسن الی جارك تکن مسلما ''پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو تم مسلمان بنوں گے۔یہ ہماری زندگی ہے۔

دعاء مانگنا یہ مخلص ہونے کی نشانی ہے۔

لہذا ایمان واطاعت کے ساتھ ساتھ، اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف ،احسان اور اخلاق کا معاملہ کریں،اور ایک دوسرے کے لئے دعاء مانگیں۔حضور ﷺ کے صحابہ ایک دوسرے کے لئے دعاء مانگا کرتے تھے۔اپنے ساتھیوں کے لئے ،اپنے بھائیوں کے لئے ،حضور ﷺ بھی اپنے صحابہ کے لئے دعاء مانگا کرتے تھے۔لہذا ہم بھی دعاء مانگیں پوری امت کے لئے۔دعاء مانگنا یہ مخلص ہونے کی نشانی ہے۔جس کے دل میں حسد ہو کیا وہ دعاء مانگے گا؟نہیں ! بلکہ وہ تو برائی چاہتا ہے۔دعاء کون مانگے گا؟ مخلص آدمی دعاء مانگیں گا کہ ان کا بھی بھلا ہوجائے اور ہمارا بھی بھلا ہو جائے۔

تبلیغ کس کو کہتے ہیں؟:

ایمان،عبادت، ہمارا لین دین، ہمارا رہن سہن، ہمارے اخلاق یہ سب صحیح ہوں، اور پھر ہماری نیتیں بھی صحیح ہوں۔ان سب چیزوں کا نام تبلیغ ہے۔یہ سب ہم اپنی آخرت بنانے کے لئے کریں گے،اور کوئی دوسری غرض نہ ہو۔پھر اپنی پابندیوں اور اخلاص کی وجہ سے جتنی قربانیاں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت نیچے آئے گی۔یہ قاعدہ ہے کہ قربانیوں کی

سطح جتنی اونچی ہوگی اتنی ہدایت نیچے آئے گی اور قربانیوں کی سطح جتنی نیچی ہوگی اتنی ہدایت اوپر چلی جائے گی۔﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کہ جو ہمارے راستے کی جدوجہد کرے گا، قربانی دیں گے ہم ان کو ہدایت دیتے رہیں گے۔ ہمارا مقصد ہدایت ہے۔ ہدایت مل جائے ہم کو بھی اور امت کو بھی۔ یہ ساری قربانیاں اور ساری چلت پھرت اس لئے کہ امت پر ہدایت کا فیضان بڑھے۔

آگ بجھ گئی باغ لگ گیا:

حدیث پاک میں ہے ''طُوبٰی لِعَبْدٍ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِفْتَاحًا لِلْخَیْرِ وَمِغْلَاقًا لِلشَّرِّ '' کہ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ ہدایت کے پھیلنے کا ذریعہ اور گمراہی کے مٹنے کا ذریعہ بناوے۔ان کے ہاتھوں سے خیر پھیلی اور شر مٹا ہے، گویا آگ بجھ گئی باغ لگ گیا۔خیر پھیل گئی کہ ایمان آیا، عبادت آئی، اخلاق آئے، لوگوں کے معاملات صحیح ہوگئے۔اگر اس کا الٹا ہے تو ہلاکت ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ شر کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے، اور خیر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے۔جو خیر پھیلی تھی وہ ان کے ہاتھوں مٹ گئی اور شر پھیل گیا۔ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، دونوں قسم کے لوگ دنیا میں ہوتے ہیں۔

اخیر تک دین پر چلنا ہے اور چلنے والے تیار کرنے ہیں:

اس لئے فرمایا کہ اللہ سے دعاء مانگو کہ اللہ ہمیں خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے اور شر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے اور اخیر تک چلائے ۔ اخیر تک چلنا اور چلنے والے

تیار کرنا ہے۔اپنے ساتھیوں کی قدر کریں، اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھاوے تاکہ ہمارے مرنے کے بعد خالی جگہ نہ رہے۔اپنی اولادوں کو بھی ایسا بناویں، یہ نہیں کہ باپ کا جنازہ گیا تو تبلیغ کا جنازہ بھی گیا۔ایسا نہ کریں ، بلکہ اپنی اولاد کو بھی لگائیں۔بہت سالوں پہلے کی بات ہے، پاکستان کی ایک جماعت جورڈن میں چل رہی تھی، اس میں ایک ساتھی تھے جن کا نام حاجی بشیر تھا، وہ بیمار ہوگئے، بہت نیک تھے۔بیماری میں ان کو یہ اندازہ ہوا کہ اب میں گھر نہیں جاسکوں گا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ان دو پہاڑوں کے بیچ میں میری قبر بنی ہے۔نیک آدمیوں کو اللہ کی طرف سے بشارت آتی ہے۔چنانچہ ان کا انتقال ہوگیا، جیسے ہی خبر پہونچی تو ان کے بیٹے تیار ہوکر کے آگئے اور کہنے لگے کہ میں میرے باپ کی جگہ پر ہوں، میں ان کے مال کا وارث ہوں، ایسے ہی میں ان کے دین کا بھی وارث ہوں۔جیسے وہ دین کے کام کو لیکر چلے تھے، میں بھی چلوں۔یہ بہترین مثال کہلاتی ہے۔مال کی وارث تو اولاد بن ہی جاتی ہے، قبضہ کرلیتی ہیں، تقسیم ہوتی ہے۔ٹھیک ہے وہ شریعت کا حق ہے لے لیں گے۔ایسے ہی دینی ذمہ داری کا معاملہ ہو کہ باپ نے دینی ذمہ داری سنبھالی تھی ہم بھی سنبھالیں گے۔اس لئے اپنے گھروں میں بھی دین ہو، تاکہ خلاء نہ پڑے۔

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں!

ایسے ہی ساتھیوں کی قدر کریں، اور ان کو آگے بڑھاویں تاکہ کل جب ہم نہیں

ہوں گے تو دین کا کام کرسکیں۔زندگی کا کیا بھروسہ؟ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ نے لاہور کی مسجد میں شب جمعہ بیان دیا، جمعہ کی نماز کے بعد وہ نہیں رہے، اللہ کو پیارے ہوگئے۔کیا بھروسہ؟اس لئے فرماتے تھے کہ مجھے مت دیکھو بلکہ اللہ کو دیکھواور کام کو دیکھو۔اگر مجھے دیکھ کر چلو گے تو میں بھی ایک بت ہوں، میں بھی بندہ ہوں، میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں بھی ایک بت ہوں کہ نہ نفع پہونچا سکوں، نہ نقصان پہونچا سکوں۔

بڑوں کی رہبری میں برکت اور بڑائی میں شر ہے:

لہذا اپنی ذمہ داری سنبھالو، جو ہم کہیں وہ کرو، ہم کو دیکھ کر مت چلو۔بڑوں کو تو اس لئے دیکھنا ہے کہ رہبری ملے۔بڑوں کی بڑائی لینے کے لئے نہیں کہ میں بڑا ہوں۔نہیں! بڑوں سے رہبری لینی ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ ”البَرَکَۃُ مَعَ أَکَابِرِکُمْ“ یادرکھو! تم کو برکتیں تمہارے بڑوں سے ملیں گی۔بڑوں کو بڑا ماننا، ان سے رہبری لینا، یہ برکت کی بات ہے لیکن بڑوں کی بڑائی کا امیدوار رہنا یہ شر ہے۔

امارت وصدارت کا سوال کبھی نہ کرو:

حضورﷺ فرماتے تھے کہ ”یا بُنَیَّ لاتسئل الامارۃ “ اے میرے بیٹے لوگوں سے امارت نہیں مانگنا کہ مجھے امیر بنادو۔اگر امارت کا تقاضا کروگے تو اللہ تعالیٰ امارت کے حوالے کرے گا کہ تو جانے اور تیری امارت جانے۔”وَاِنْ سَأَلْتَ وُکِّلْتَ“ اگر مانگے گا تو اللہ کو تمہاری صدارت اور امارت کے حوالے کریں گے، تمہاری مدد نہیں

ہوگی۔اگر تم نے مانگی نہیں، لوگوں نے زبردستی دے دی کہ تم ہی لائق ہو، کوئی لائق نہیں ہے تو پھر اللہ کی طرف سے مدد پائے گا۔

حضرت ابو بکرؓ کا اعلان:

حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنایا تو ایسی مدد آئی جیسی حضور ﷺ کے ساتھ آتی تھی۔حضرت ابو بکرؓ اس امارت کو بالکل ہی نہیں چاہتے تھے۔لیکن چونکہ حالات ہنگامی تھے اس لئے اس کو قبول کرلیا۔حالات میں سکون آیا تو ایک نماز کے بعد کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ بھائیو! اس وقت حالات ہنگامی تھے اس لئے میں نے یہ امارت قبول کرلی تھی۔اب حالات سازگار ہیں، گاڑی پٹڑی پر آگئی ہے۔اب تم میں سے کوئی آوے، میں امارت اس کے حوالے کردوں۔ایسا اعلان پندرہ نمازوں کے بعد کیا۔تین دن تک ایسا کیا۔جب یہ اعلان ہوتا تھا تو حضرت علیؓ دوسری طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ذمہ داری ہم نہیں لیں گے، اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا لے گا تو ہم اس سے راضی نہیں ہوں گے۔ہم آپ ہی پر راضی ہیں، لہذا آپ ہی کو کرنا ہے۔اگر اعتراض کا حق کسی کو تھا تو حضرت علیؓ کو تھا، کیوں کہ حضور ﷺ کی بیٹی آپ کے نکاح میں تھی، چچازاد بھائی بھی تھے، ہاشمی بھی تھے۔مطالبہ کرتے تو وہ کرتے کہ یہ ہمارے گھر کی چیز ہے ہمیں ملنی چاہئے لیکن انہوں نے ہی کہا کہ آپ کے علاوہ کسی پر ہم راضی نہیں ہوں گے، اور یہ ذمہ داری آپ سے کبھی نہیں لیں گے۔آپ ہی کو کرنا ہے۔

دین کا کام امانت ہے وراثت نہیں:

صحابہؓ کا مجمع مخلصین کا مجمع کہلاتا ہے کہ ہر آدمی کام چاہتا ہے کہ کام ہو جائے، دین کا کام جو جتنا اچھا کرسکتا ہے وہ اس ذمہ داری کو لے، اور اسی کو دی جائے، کیوں کہ یہ تو امانت ہے۔ باپ کی وراثت تھوڑے ہی ہے۔ اس میں امانت دار رہنا ہے، اس میں اپنا جان مال لگانا ہے، اپنی طاقت لگانی ہے، اپنی صلاحیت لگانی ہے، اور اللہ سے بدلہ لینا ہے۔ اللہ بڑھا چڑھا کر بدلہ دیں گے، بیپاری کی طرح تول تول کر نہیں دیں گے۔

اس لئے جو اللہ سے معاملہ کرے گا وہ نفع میں رہے گا، یہ قاعدہ ہے۔ ایک سبحان اللہ احد پہاڑ کے برابر، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک سبحان اللہ احد پہاڑ کے برابر ہے تو باقی اعمال پر اللہ کیا دیں گے، یہ سوچو۔ اللہ سے اس پر ثبات یعنی ثابت قدمی مانگنی ہے۔

دین بھلائی چاہنے کا نام ہے:

دین دوسروں کی بھلائی چاہنے کا نام ہے، دوسروں کی بھلائی چاہو گے تو تمہارا بھلا ہوگا۔ کوئی ہمارے ساتھ تیزی کرے تو ہم اس پر صبر کریں گے۔ ہم نرمی کریں گے۔ بدی کا جواب بدی سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ برائی کا جواب بھلائی سے دینے کا حکم ہے۔ نبیوں کا یہی طریقہ تھا کہ لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے تھے اور ان کی رہبری بھی کرتے تھے تا کہ وہ کامیاب ہو جائیں۔ یہ ایک کام ہے، رواج کے خلاف

ہے، طبیعت کے خلاف ہے، اللہ سے اس پر ثبات قدمی مانگنی ہے۔اونچی اونچی نیتوں کے ساتھ کام کرنا ہے۔دل میں نیت رکھو کہ یہ بھی کریں گے، وہ بھی کریں گے۔نیت اورعمل پر اللہ تعالیٰ دیں گے۔کام کرو اور اپنی طاقت کے مطابق ذمہ داری کو اوڑھو۔پہلے اپنی طاقت لگاویں، پھر خدا کی طاقت اس کے ساتھ ہوگی۔﴿وَيَـزِدْكُمْ قُـوَّةً اِلٰـى قُـوَّتِكُمْ﴾ (سورہ ھود:۵۲) اللہ تمہاری قوت میں اپنی قوت کا اضافہ کرے گا۔تمہاری قدرت ناقص ہے اور اللہ کی قدرت بڑی اور کامل ہے۔

....

سچائی اور امانت سے دین کا کام کرو

بیان نمبر [۵]

کل ہند پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ ۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۱؍ستمبر ۲۰۱۶ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام بڑروده ، صوبہ : گجرات

اقتباس

آخرت کیسے بنتی ہے؟ یہ ہمارا اصلی موقف ہے کیوں کہ ہم آخرت والے ہیں، ہم جو کچھ کریں گے آخرت کے لیے ہیں، تاکہ اللہ کا حق بھی ادا ہوجائے اور اللہ کے بندوں کا حق بھی ادا ہوجائے۔ دونوں کے حقوق ادا کرنے سے آخرت بنتی ہے۔ اس لئے دین کے کام کرنا ہے، یہ امانت ہے، اس کو نہیں چھوڑا جاسکتا، اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ سچائی کے ساتھ، امانت کے ساتھ کیا جائیگا، جو بات صحیح ہے وہ چھوڑی نہیں جائے گی اور جو غلط ہے اس کو لیا نہیں جائے گا۔ ہم اس کام کو سچائی کے ساتھ ،امانت داری کے ساتھ، اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کریں گے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰه فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَلَّى اللّٰه تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً . اَمَّابَعْدُ

رسول اللہ ﷺ کی دو بنیادی صفتیں:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو! اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دو صفتیں نبوت سے پہلے ظاہر کی ہیں، ان صفات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ لوگوں کی زبان زد ہوگئی۔ جو مخالف تھے وہ بھی اور جو موافق تھے وہ بھی معترف ہو گئے۔ جو موافق تھے وہ تو تھے ہی تھے، لیکن جو مخالف تھے ان کے دلوں نے بھی اعتراف کرلیا۔ وہ دو صفتیں ایک تو امانت داری، اور دوسری آپ کی سچائی، یہ دو صفتیں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے کہ جو کام آپ سے لیا جائے گا وہ ہی بنیادوں پر ہوگا۔

دین کے کام کو امانت سمجھو:

جو لوگ بھی یہ کام کریں گے وہ ان دو بنیادوں پر کام کریں گے۔ اپنے آپ کو امانت دار بنا کر اور کام کو امانت جان کر کریں گے۔ حضور ﷺ کو امین کا لقب ملا تھا،

کیوں کہ امانت داری سے کام کیا، اس لئے اس کام کو امانت سمجھ کر کرو۔ جیسے نماز امانت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، حدیثوں میں ہے کہ وضوء امانت ہے اسے پورا پورا ادا کرو۔ جس طرح یہ سب چیزیں امانتیں ہیں کہ کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں، ایسے ہی پورا دین اور دین کے سارے کام امانت ہیں۔ اس کو اسی نہج سے، امانت داری سے کئے جائیں۔

سچوں کے ساتھ رہو:

لہذا حکم لینا ہے، کام سیکھنا ہے اور حکم کا طریقہ پورا کرنا ہے، چاہے وہ حکم بجا لانے کا ہو، یا اپنے آپ کو بچانے کا ہو۔ دونوں قسم کے حکم ہوتے ہیں، کرنے کے یا نہ کرنے کے۔ اس لئے جو باتیں نہیں کرنے کی ہیں اسے کریں گے نہیں، اور جو کرنے کی اسے چھوڑیں گے نہیں۔ ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس نبی سے اللہ تعالیٰ نے عالمی کام لیا ان کی دو بنیادی صفتیں ظاہر کی ہیں، امانت داری اور سچائی یہ اصل ہے۔ سچائی اللہ کے ساتھ اور سچائی بندوں کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ سچائی یہ ہے کہ جو بھی معاملہ ہو چاہے عبادت کا ہو، اطاعت کا ہو، اس میں سوائے اس کی رضاء کے کوئی غرض نہ ہو۔ اللہ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ جن کا ظاہر باطن ایک ہی ہو، ہر بات میں سچے ہوں۔ سچے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، اور یہی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، ایمان باللہ والیوم الآخر۔ تمام نبیوں کا یہ عقیدہ ہے۔

اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرو:

اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرو کہ اس سے میرے اللہ راضی ہوں گے اور میری آخرت بنے گی، آخرت کو اپنے عمل کا مالک بناویں۔ مخلص وہ ہوتا ہے جو اپنے اعمال کا مالک اپنی آخرت کو بناتا ہے۔ جیسے نوکر کہ اس کی نوکری اس کے کاموں کی مالک ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ کوئی کام ہوتا ہے لیکن نوکری کی وجہ سے وہ نہیں کرسکتا، کہ ہماری نوکری میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اسکول میں ایک ماسٹر تھے، ہمارے دوستوں میں سے تھے، اسکول میں ان کی ڈیوٹی تھی، ہم صبح مدرسہ پڑھاتے تھے۔ ہمارے یہاں صبح تین گھنٹہ بچوں کا مدرسہ ہوتا ہے۔ میں نے ان سے ایک دن کہا کہ آپ کا اسکول تو دس بجے کے بعد ہے، صبح میں آپ ہمارے یہاں تین گھنٹے پڑھاؤ، وہ دین دار آدمی تھے، تو انہوں نے کہا کہ ہماری نوکری اس کی اجازت نہیں دیتی کہ دوسری نوکری کریں، تو نوکری مالک ہے۔ ایسے ہی ہمارے یہاں ایک اور صاحب تھے بہت پڑھے لکھے تھے، ایک مرتبہ الیکشن تھا، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ زمین پر اسکول کی دیوار پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے آدمی تھے۔ میں نے کہا کہ آپ یہاں ایسے کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو تو وہاں یعنی الیکشن کی جگہ بیٹھنا چاہئے۔ انہوں کہا کہ میں وہاں نہیں بیٹھ سکتا، کیوں کہ حکومت کا قانون ہے، گورمنٹ کا کوئی بھی خادم، ملازم الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا ہے، یہ مثال ہے۔

دوقسم کے لوگ:

دوقسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان کی دنیا ان کی عمل کی مالک ہوتی ہے، دوسری قسم وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کو اور آخرت کو سامنے رکھا ہوتا ہے کہ اللہ خوش ہوں گے اور ہماری آخرت بنے گی تو کام کریں گے، اور آخرت بگڑیگی تو کام نہیں کریں گے۔ یہ اصل مزاج ہے صحابہ والا، "انما ھِمَمُنا الآخرة ولیست ھِمَمُنا الدنیا" ہمارے عزائم وارادے آخرت کے ہیں، دنیا کے نہیں ہیں۔ وہ اپنے عزائم آخرت کے بناتے تھے، ہر عمل میں یہ دیکھتے تھے کہ آخرت کے اعتبار سے کتنی گنجائش ہے۔ گنجائش ہے تو کریں گے، گنجائش نہیں تو نہیں کریں گے۔

فیضان کا زمانہ:

ایک دفعہ ایسا ہی زمانہ آیا جیسا ہمارا ہے، فیضان کا زمانہ۔ لوگ جمع ہورہے تھے کسی فیصلہ پر پہونچنے کے لئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں جاتے؟ آپ تو بڑے آدمی ہیں! جب وہ وہاں پہونچے تو ایک صاحب اپنی بہترین اونٹنی پر تھا، اس زمانہ میں اونٹیوں کا وہ مقام تھا جو ہمارے زمانہ میں کاروں کا ہے۔ اونچے درجہ کا آدمی اونچے درجہ کی کار میں ہوتا ہے، تو اس زمانہ میں اونچے درجہ کا آدمی اونچے درجہ کی نجیب اونٹنی پر ہوتا تھا۔ نجیب کہتے ہیں شاندار اور خوبصورت اونٹنی کو، وہ کہنے لگے اس کام کا ہم سے زیادہ کوئی حقدار نہیں جیسے آج کہا جاتا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ بھی وہاں تھے، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ اس سے جھگڑا کروں، کہ اس

کام کا حقدار وہ ہے جس نے تیرے باپ کو اسلام لا کر دیا، لیکن جواب نہیں دیا، کیوں جواب نہیں دیا؟ بخاری شریف کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو جنت یاد آ گئی کہ مجھے ان سے کیا لینا، اللہ نے ہمارے لیے جنت تیار کر دی ہے۔ جنت یاد آئی، جنت کے حالات یاد آئے، تو چھوڑ دیا، یہ سبق ہے۔

آخرت کیسے بنتی ہے؟

یہ ہمارا اصلی موقف ہے کہ ہم آخرت والے ہیں، ہم جو کچھ کریں گے آخرت کے لیے ہیں، تاکہ اللہ کا حق بھی ادا ہو جائے اور اللہ کے بندوں کا حق بھی ادا ہو جائے۔ دونوں کے حقوق ادا کرنے سے آخرت بنتی ہے۔ اس لئے دین کا کام کرنا ہے، یہ امانت ہے، اس کو نہیں چھوڑا جا سکتا، اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ سچائی کے ساتھ، امانت کے ساتھ کیا جائیگا، جو بات صحیح ہے وہ چھوڑی نہیں جائے گی اور جو غلط ہے اس کو لیا نہیں جائے گا۔ ہم اس کام کو سچائی کے ساتھ، امانت داری کے ساتھ، اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کریں گے۔

بنا ہوا ہی کام کو بناتا ہے:

یہ کام اپنے آپ کو بناتے ہوئے کرنا ہے، بگاڑتے ہوئے نہیں، کیوں کہ بنا ہوا ہی کام کو بناتا ہے، اس لئے اپنے آپ کو بنانا ہے۔ کس لحاظ سے بنانا ہے؟ اخلاص کے لحاظ سے بنانا ہے۔ کیا چاہتے ہو؟ کہ کچھ نہیں چاہتے، صرف اللہ چاہتے ہیں، اور

آخرت چاہتے ہیں۔اس میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا کہ واقعی اللہ اور آخرت حق ہے، اس میں کوئی دوسری چیز نہیں، ورنہ دعوت چلے گی نہیں ہے۔

''بصیر'' کا معنی:

اللہ تعالیٰ ''بصیر'' ہیں۔بصیر اس کو کہتے ہیں جو پرکھنے کے ارادے سے دیکھے۔'بصیر' یہ اللہ کی صفت ہے، یعنی دیکھنے والا۔کیسا دیکھنے والا؟ ایسا دیکھنے والا جیسے کوئی چیک کرنے والا دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ الگ ہوتی ہے۔تو اللہ نے بار بار یہ کہا: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ کہ اللہ اپنے بندوں پر بصیر ہیں۔بصیر اس دیکھنے والے کو کہتے ہیں جو نکتہ چینی کے ساتھ دیکھے کہ یہ کیوں؟ یہ کیوں؟ وہ بصیر ہے، یہ صفت اللہ نے ہم کو بتائی ہے۔اس لئے اپنے عمل کو پوری سچائی کے ساتھ کرنا ہے۔کسی چیز کی کوئی طلب نہ ہو۔

دین کے کام میں غرض شامل ہوئی تو فتنہ فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا:

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دین کے کام میں جس کے دل میں کسی خاک کی طلب ہوئی اس کو فتنہ وفساد کا منہ دیکھنا پڑیگا، وہ تو اس کی مثالیں بھی دیتے تھے۔خیر۔۔۔ ہمارے منہ سے وہ اچھی نہیں لگتی۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس کام میں دوسری کوئی غرض شامل ہوئی اور اس کو چلایا گیا تو اس کو فتنہ وفساد کا منہ ضرور دیکھنا پڑے گا۔یہ کام اس چیز کو برداشت نہیں کرتا۔اگر آخرت کی طلب ہو

تب تو ٹھیک ہے ،لیکن اگر دوسری کوئی طلب اندر شامل ہوگئی تو پھر اس کا اثر دوسرا ہوگا۔اس لئے اس کو اللہ سے صحیح صورت میں مانگ کر کرنا ہے، اور اللہ سے دعائیں مانگیں، ''اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا '' اللہ سے مانگنا ہے، اللہ رشد وہدایت کی بات ہمارے دلوں میں ڈال دے، اور ہم کو اپنے نفسوں کے شرور سے بچائے۔

سب سے پہلا شر نفس سے شروع ہوتا ہے:

سب سے پہلا شر جو شروع ہوتا ہے وہ آدمی کے اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے۔حضرت مولانا سلیمان جانجیؒ نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سب لوگوں کو شیطان نے ہلاک کیا،تو پھر شیطان کو کس نے ہلاک کیا، حضرت نے فرمایا کہ اس کے نفس نے۔شیطان کو اس کے نفس نے آمادہ کیا کہ آدم کو سجدہ مت کر۔یہ اس کے لئے ہمیشہ کے لئے ہلاکت ہوئی۔ جہاں بھی کوئی ذرہ برابر بھی ملاوٹ ہوئی ،اس کام کی آواز بدل جائے گی، جیسے مشین کی آواز بدل جاتی ہے۔اثرات بھی بدل جائیں گے۔اگر ایسا ہوا تو بجائے فلاح کے فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

دین کے کام کا سب سے بڑا اثر:

اس کام کے بہت سارے اثرات ہیں،سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دلوں میں تقوی اترتا ہے۔اس لئے آدمی محتاط بن کر چلتا ہے۔اپنے اختیارات

میں، اپنے تصرفات میں، اپنے جان و مال کے استعمالات میں، اپنے بولنے میں، ہر بات میں، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دل میں تقوی ہے۔ یہ اس کام کی علامت ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب سے بڑی چیز جو اللہ نے دی تھی وہ تقوی ہے۔ اس لئے آداب سے لیکر عقائد تمام چیزوں کے پابند بنے۔ ایسی کونسی صفت تھی ان میں؟ تقوی کی صفت تھی۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى﴾ (حجرات:٦) جب یہ وحی آئی تو صحابہ نے اپنی آوازوں کو پست کرلیا، احتیاط کرنے لگے، اللہ نے ان کی تعریف کی۔ یہ لوگوں کی وہ قسم ہے جن کے دلوں کو تقوی کے لئے خاص کیا ہے، یہ اس کام کا اثر ہے۔

ساری حسنات اور بھلائیوں کی جڑ تقوی ہے:

اس کام کا اثر یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتا ہے، تسبیحات کی پابندی کرتا ہے، اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے۔ اوابین پڑتا ہے، سارے نیک کام کرتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دلوں میں تقوی ہے۔ اس کام کی یہ برکت ہے کہ کام کرنے والے کو محتاط بناتا ہے۔ اگر یہ باتیں پیدانہیں ہوتیں ہیں تو سمجھو کہ کام نے برابر اثر نہیں کیا۔ آدمی اپنی جان میں، مال میں، ہر چیز میں محتاط بنیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس کے اثرات مانگنے ہیں، اور کوئی غرض اپنے اندر نہیں ہونی چاہئے۔ نہیں تو وہی ہوگا جو ابھی فرمایا کہ فساد کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس لئے امانت اور سچائی کے ساتھ اس کام کو

کریں اور اللہ سے توفیق بھی مانگیں کہ اے اللہ تو ہم کو اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم اس کام کے ساتھ امانت دار اور سچے بن کر رہیں۔

قبولیت کی دعاء مانگو، عمل کر کے بے فکر نہ بنو:

عمل کر کے بے فکر نہیں بننا چاہئے بلکہ قبولیت کی دعاء کرنا چاہئے۔ جب تک کوئی چیز پاس نہیں ہوتی، اس کا نتیجہ نہیں آتا۔ حضرت علیؓ اس کی تاکید کرتے تھے کہ اپنے اعمال کو اللہ سے قبول کرواؤ، اس کا خوب اہتمام کرو۔ جس طرح عمل کرنے کا اہتمام کرتے ہو، قبول کرانے کا بھی اہتمام کرو۔ جتنا تقوی ہوگا اتنی قبولیت آئے گی۔ ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دین کے کام میں اعتدال ضروری ہے

بیان نمبر [٦]

گجرات ذمہ داروں کا جوڑ

مؤرخہ ۲۸/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۴/مئی /۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

بمقام سوجترا، صوبہ :گجرات

اقتباس

اسباب پر دین حق کا دارومدار نہیں ہے، ہمارے یہاں یہ بات نہیں اسباب کی بنیاد پر ہمارا کام ہوگا۔نہیں! ہمارا کام تو اللہ کی مدد سے ہوگا۔ یہ بات پہلے سے ہے۔ ہاں! اسباب آئیں گے تو ہم اسباب کو اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کریں گے۔اور اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے، اس میں اسراف نہیں ہوگا، فضولیات نہیں ہوگی۔اسباب کے استعمال میں منکرات نہیں ہوں گے۔اسباب پر دین کا دارومدار نہیں ہے،تو پھر کس پر دارومدار ہے؟ کام کرنے والوں کے اخلاص پر اس کا دارومدار ہے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں کتنا اخلاص ہے، یہ اپنی محنت سے اپنی آخرت بنا رہے یا نہیں؟ جتنی آخرت بنے گی اتنی مدد ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ وَالصَّلاَةُ والسَّلاَمُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْد :

ایمان والوں پر اللہ کا بڑا احسان:

میرے پیارے بھائیو! اللہ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دین کی مدد کریں، اور یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے دین کے مددگار بنو، یہ صاف حکم ہے ﴿كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰه﴾ اپنے دین کے مددگار بنو، ایمان والوں پر یہ بڑا احسان ہوا ہے۔ اللہ نے فرمایا ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ﴾ ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہیں میں سے رسول بھیج دیا، بھیجا تو سب کے لیے ہے لیکن نفع یہ اٹھاتے ہیں رسول کی رسالت سے، پیغمبر کی پیغمبری سے۔ اس کا ایک بڑا اجزء یہ ہے کہ اللہ کے دین کی مدد کی جائے ، دین کی مدد کرنا یہ بڑا کام ہے۔

ہجرت کے بعد بڑا عمل:

دین کی مدد ایسی مثال رکھتی ہے جیسے زمین کے لیے پانی، زمین کو پانی نہ ملے وہ کچھ فائدہ نہیں دے گی، بنجر ہو جائے گی اور پانی ملے تو زمین کی استعداد ظاہر ہو گی کہ یہ زعفران کی زمین ہے، یہ ادرک کی زمین ہے، تو اب یہ زعفران اگائے گی، ادرک

اگائے گی، اوراگرگھاس چارہ کی زمین ہےتو گھاس چارہ اگائے گی۔سب کچھ موقوف ہے پانی پر۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ بند کردیا،لیکن نصرت کی ذمہ داری ڈالی اوراس کا دروازہ کھلا رکھا۔ہجرت نہیں ،حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصاری ہوتا،ہجرت کے بعد سب سے بڑا عمل دین کی نصرت ہے کہ مسلمان اپنی جان و مال سے اللہ کے دین کی مدد کرے،اور مدد کرنا ایسا ہے جیسے پانی پہونچایا،اصلی چیز حیات کے لئے پانی ہے۔پانی کے بغیر زمین پرکسی چیز کی حیات نہیں ،ہر چیز کا دارومدار پانی پر رکھا گیا ہے، ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ پانی سے ہر چیز کو ہم نے حیات بخشی ہے،لہذا زمین پانی سے زندہ رہے گی۔

انسان کی ساری صلاحیتیں دین کے لیے ہیں:

اسی طرح سے دین کے وجود کا بڑا دارومدار دین کی نصرت ہے۔مسلمانوں کا مال اوراس کی حیات اورانکی صلاحیتیں یہ اصلاً تو دین کے لیے ہیں اور یہ چیزیں دین کے لیے ہی دی گئی ہیں۔اس لئے فرمایا کہ دین کے مددگار بنو،انصار حضور ﷺ سے یوں کہتے تھے کہ جو چیزیں آپ دین کے لیے ہم سے لیں گے وہ ہمیں زیادہ پسند ہے اس سے جوآپ ہمارے لیے چھوڑیں گے۔اس لیے فرمایا کہ انصار کی نصرت ایثار کے ساتھ تھی،ایثار کا درجہ اونچا ہوتا ہے۔انہوں نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کی،اورایثار سے کام لیا،اور دین کو اور دین کے کام کو آگے رکھا۔اس لئے انصارِ مدینہ کی اللہ کے یہاں بڑی قدر ہوئی۔

انصارِ مدینہ کا نصرت دین کے لیے انتخاب:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصارِ مدینہ کا انتخاب ہوا تھا آپ ﷺ کی نصرت کے لیے۔ انصارِ مدینہ ایسے ہی نہیں آ گئے تھے، بلکہ اللہ نے ان کو چھانٹا تھا اور وہ اس لئے کہ قریش نے حضور ﷺ کو ستایا، آپ کو مکہ سے نکالا، آپ کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ حالاں کہ ایک ہی قوم ہے، ایک ہی زبان ہے، ایک ہی خاندان ہے پھر بھی ساتھ نہیں دیا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں دیا تو اللہ انصارِ مدینہ کا انتخاب فرمایا، اس لئے فرمایا کہ جب قدر نہیں ہوتی تو اس کو اللہ ہٹا دیتے ہیں اور قدر دانوں کو لاتے ہیں۔ انصار مدینہ کا آنا کوئی اتفاق کی بات نہیں تھی بلکہ ان کا انتخاب ہوا تھا، اللہ نے ان کو لایا تھا اور یہ لوگوں کو بتلانے کے لیے کہ جب لوگ ناقدری کرتے ہیں تو پھر ان کی جگہ ہم قدر دانوں کو لے آتے ہیں ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُواْ نِعْمَةَ اللّهِ كُفْراً وَأَحَلُّواْ قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ، جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ یہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کے مقابلے میں کیا کیا؟ نعمت آئی تو اس کے جواب میں انہوں نے کفر کیا، نہ صرف انہوں نے کیا بلکہ اپنی قوم کو بھی روکا، خود بھی ہلاک ہوئے اور قوم کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہیں لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ باطل کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ وہ خود تو بگڑے ہوئے ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی بگاڑتے ہیں۔ دوسروں کو موقع نہیں دیتے۔

اہل حق کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے:

مخالفین کے دو گروپ تھے، ایک مشرکین مکہ اور دوسرا منافقینِ مدینہ، ان دونوں کا یہی کام تھا کہ نہ خود کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں، نہ خود قبول کریں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیں۔ مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں منافقین تھے۔ صرف انصارِ مدینہ ایسے تھے کہ جنہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ باقی سب مخالفت پر تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اہل حق کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے، مخالفت تو ہوگی۔ اوپر سے یہی منظور ہے۔ شروع ہی سے ہے کہ آدم علیہ السلام کو خلافت دے کر اتارا اور دوسری طرف شیطان کو لعنت ڈال کر اتارا، یہ دو اکھاڑے ہوگئے۔ ابلیس بھی محنت کرے اور آدم بھی کریں گے۔ آدم نبی کی حیثیت سے اور شیطان لعین ہونے کی حیثیت سے۔ پہلے سے یہ بات طے ہے۔ شیطان نے اللہ کے سامنے یہی بات کہی تھی کہ میں ایسی کوشش کروں گا کہ تیرے بندوں میں شکرگذار تھوڑے ہوں گے، نہ تیری قدر ہوگی اور نہ تیری نعمتوں کی قدر ہوگی، نعمت کے جواب میں ناشکرے بنیں گے اور تجھ کو ناراض کریں گے۔ یہ مخالفت قیامت تک چلے گی؟

شیطان کی دعوت ایک دھوکہ ہے:

قیامت جب قائم ہوگی تو شیطان اپنی جماعت کے ساتھ جہنم میں جائے گا، جب جہنم میں پہونچے گا تو لوگ اسے پوچھیں گے کہ تو ہم کو یہاں لایا، وہ کہے گا میں نے یہ نہیں کیا ہے۔ اللہ نے تم کو دعوت دی تھی جو حق تھی، وہ تم نے قبول نہیں کی، میں

نے جو دعوت دی تھی وہ تو دھوکہ تھی، وہ تم نے قبول کی۔ اس لئے میری دعوت کے خلاف ہوا۔ اس لئے میرا قصور مت نکالو۔ اپنا قصور سمجھو۔

اس لئے اللہ نے فرمایا کہ شیطان اپنی دعوت چلاتا ہے، اپنی بات منواتا ہے تا کہ لوگ جہنم میں جائیں، ﴿اِنَّمَا یَدۡعُوۡحِزۡبَهٗ لِاَصۡحَابِ السَّعِیۡرِ﴾ ”یہ اپنی پارٹی بناوے گا تا کہ لوگ جہنم میں جاویں، یہ دو محاذ ہیں دنیا میں، باطل کا محاذ اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے، حکومتیں، دولتیں، تعداد کی کثرت، یہ ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں، اس سے وہ دھوکہ کھاتے ہیں۔

اسباب پر دین حق کا دارومدار نہیں ہے:

ہمارے یہاں یہ بات نہیں ہے کہ اسباب کی بنیاد پر ہمارا کام ہوگا۔ نہیں! ہمارا کام تو اللہ کی مدد سے ہوگا۔ یہ بات پہلے سے ہے۔ ہاں! اسباب آئیں گے تو ہم اسباب کو اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کریں گے۔ اور اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے، اس میں اسراف نہیں ہوگا، فضولیات نہیں ہوگی۔ اسباب کے استعمال میں منکرات نہیں ہوں گے۔ اسباب پر دین کا دارومدار نہیں ہے، تو پھر کس پر دارومدار ہے؟ کام کرنے والوں کے اخلاص پر اس کا دارومدار ہے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں کتنا اخلاص ہے، یہ اپنی محنت سے اپنی آخرت بنا رہے یا نہیں؟ جتنی آخرت بنے گی اتنی مدد ہوگی۔

ہر حال میں دین کا کام کرنا ہے:

اس لئے صحابہ فرماتے تھے کہ "اِنَّمَا هِمَمُنَا الآخِرَة" ہمارے عزائم تو آخرت کے ہیں۔ ہمیں تو اپنی آخرت بنانی ہے بس، یہ ہمارے لئے سبق ہے۔ ہم تو موت کے بعد کی زندگی بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے اسباب ہمارے اعمال ہیں، ہمارا اخلاص ہے۔ ہماری محنت ہے۔ اگر اللہ مالدار بنائے گا تو بھی اور غریب بنائے تو بھی یہی دین کا کام کریں گے۔ صحابہ فرماتے تھے کہ "بَایَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلیٰ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ" ہم نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر یہ قول وقرار کیا ہے کہ آپ کی سنیں گے اور آپ کی مانیں گے۔ کس حال میں؟ ہر حال میں کہ اللہ مالدار بنائیں گے تو اپنے مال کو دین پر لگائیں گے، اور واقعۃً صحابہؓ نے اپنی بڑی بڑی مالیات دین پر لگائی۔ ایک صحابی نے حضور ﷺ کی فرمائش پر چھ سو من کھجوریں لاکر مسجد میں رکھ دی۔

حضرت عثمانؓ کا دین کے لئے مال لگانا:

حضرت عثمانؓ نے دس ہزار آدمیوں کا خرچہ اپنے ذمہ برداشت کیا، تبوک میں تیس ہزار آدمی گئے تھے۔ اس میں ایک تہائی کا خرچ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ صرف کھانا پینا نہیں بلکہ پورا خرچ یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا کہ ان کا کوئی سامان پھٹ جائے تو سووا اور سوتلی بھی میری۔ دس ہزار آدمی کے آنے جانے کا پورا خرچ؟ سوچو کتنے مالدار ہوں گے۔ روایتوں میں ہے کہ سینکڑوں اونٹ دیئے،

سینکڑوں گھوڑے دیئے ہیں، مال ہے تو مال دیکر اللہ کو خوش کریں گے یہ صحابہؓ نے بیعت کی تھی۔

صحابہؓ کا خلوص:

اسی طرح اگر اللہ غریب بنائے تو اپنی غربت کا عذر نہیں بنائیں گے، بلکہ پیدل چلیں گے، غربت کے ساتھ کام کریں گے، کیوں کہ عہد کیا تھا کہ نبی کی مدد کریں گے، دین کی مدد کریں گے، جی چاہا تو بھی اور جی نہ چاہے تو بھی۔ کوئی ہم کو پوچھے تو بھی کام کریں گے اور نہ پوچھے تو بھی کام کریں گے، ایسا نہیں کہ ناراض ہوکر کٹ جائیں کہ ہم کو پوچھا نہیں، ہم سے مشورہ نہیں لیا نہیں! کوئی پوچھے تو بھی نہ پوچھے تو بھی، یہ ساری چیزیں خلوص کی علامت بتائی ہیں۔ اللہ اور آخرت کے لیے کرنا ہے۔

بیعت کس کو کہتے ہیں:

اس دین کے لیے صحابہؓ نے موت تک کے للیے بیعت کی تھی، بیعت فیصلہ کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے اگر دوسرے تعلقات رکاوٹ بنیں تو ان تعلقات کو بھی کاٹ دیں گے۔ انصار کے لوگوں کے ساتھ بہت تعلقات تھے، یہودیوں کے ساتھ رشتہ داری اور لین دین کے بہت تعلقات تھے، لیکن جب یہود حضور ﷺ کے خلاف ہوگئے، دین کے خلاف ہوگئے، تو انصار نے اپنے سارے تعلقات ان سے کاٹ دیئے کہ تم ہمارے نبی کے مخالف ہو، تو اگر کوئی نبی والے کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو اس کو سمجھاؤ

اور نہیں سمجھتا ہے تو اس کو چھوڑ دو کہ تو تیرا کام کر، ہم اپنا کام کریں گے۔ یہ انصار کی کارگذاری ہے۔ صرف ایک تعلق باقی رکھا اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا تعلق، باقی سارے تعلقات کو کاٹ دیا۔

انصار کا مقام:

اس لئے حضور ﷺ کو انصار سے بہت قرب تھا، بہت دعائیں دیں، ان کے اولاد کو، اولاد کی اولاد کو۔ آخری عمر میں بہت دعائیں دیں کہ یہ تو میرے اصلی لوگ ہیں۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو انصار کو یہ شبہ ہوا کہ حضور ﷺ کا وطن مکہ ہے، اب تو وطن والے بھی مسلمان ہوگئے ہیں، اب یہیں مکہ میں رہ جائیں گے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! بالکل نہیں! بلکہ میرا مرنا جینا تو تمہارے ساتھ ہوگا۔ لوگ ایک راستہ پر ہوں گے اور انصار ایک راستہ پر ہوں گے تو میں انصار والے راستہ پر ہوں گا۔ اس کو کہتے ہیں شرف۔ اللہ اور رسول کی نصرت پر انصار کو یہ شرف ملا تھا۔

اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، کمزوروں پر حالات نہیں لاتا:

اس محنت میں ہمارے لیے ایک سبق ہے کہ ہم اپنی نیت کو خالص بنائیں کہ اللہ کے دین کی نصرت کرنی ہے، اللہ کے دین کی مدد کرنی ہے۔ ہر حال میں کرنی ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ ہم پر وہ حالات نہیں آئیں گے جو صحابہ پر آئے ہیں۔ بھوکے ہیں، پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ہمارے اندر طاقت ہی

نہیں ہے۔ جیسے انسان کے بدن میں طاقت نہیں ہوتی ہے تو ڈاکٹر آپریشن نہیں کرتا، کہ ابھی بدن میں طاقت نہیں ہے، بدن کاٹ کوٹ کا متحمل نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی بڑا حکیم ہے۔اس لئے یادرکھو! شیطان حالات سے ڈراتا ہے، لیکن وہ حالات آنے والے نہیں۔

فضائل صدقات اصل میں تزکیہ کی کتاب ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا تم پر پھیل جائے گی،اور دنیا تم کو روکے گی بھی، حضرت شیخ ؒ نے جو کتاب لکھی ہے فضائل صدقات ، وہ اصل میں تزکیہ کی کتاب ہے۔اس میں تزکیہ کے بہت سامان ہیں کام کرنے والوں کے لیے، اس لئے اس کو پڑھیں، دنیا کے بارے میں، دنیا کے اسباب کے بارے میں، آخرت کے بارے میں، آخرت کی کامیابی کے بارے میں، سب کچھ ہے، اس کو پڑھیں۔نفس کی صفائی ہوگی، دلوں میں سے دنیا کی محبت نکلے گی ، اسی کو تو تزکیہ کہتے ہیں۔حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ دنیا دل میں نہیں آنی چاہئے ، ہاتھ میں بھلے رہے۔دلوں میں بھی نہ ہو اور ہاتھوں میں بھی نہ ہو تو پھر تو دنیا ضائع ہو جائے گی،اور دنیا ضائع کرنا، حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔اس لئے دنیا دل میں نہیں اترنی چاہئے کہ پھر عبادت میں مزہ نہیں آئے گا۔یہ بھی حضرت شیخ ؒ نے فضائل صدقات میں لکھا کہ دنیا جب دل میں آجائے گی تو عبادت میں لذت نہیں آئے گی۔عبادت میں لذت نہ آنے کی سب سے بڑی وجہ دنیا کی محبت ہے۔

روزانہ موت کو یاد کرو:

دنیا کے مقابلے میں آخرت کی طرف مخصوص رغبت پیدا ہو اس لئے یہ کتاب لکھوائی گئی تھی، واجبات میں بھی، مستحبات میں بھی، ایثار میں بھی، تمام چیزوں میں آخرت کی رغبت ہو۔ اور بیماری میں غربت میں صبر سے کام لیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ جماعتوں سے بھی یہ کہتے تھے کہ روزانہ موت کو یاد کرو۔ نظام الدین جب آتے تھے اور جب جماعتیں جاتی تھیں تو ان کو فرماتے تھے کہ روزانہ موت کو یاد کرو کہ اس سے دنیا کی بے رغبتی پیدا ہوگی، اور یہی اصل ہے کہ دین بنانے کے لیے آخرت کی رغبت پیدا ہو اور آخرت کے کاموں میں کوئی تکلیف آوے تو اس پر صبر کریں، صبر کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا، یہ ساری باتیں فضائل صدقات میں ہیں۔

ہمارے کام میں کوئی شو نہیں اور شور بھی نہیں:

ہماری دعوت یہ کوئی نری تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک بہت بڑی عبادت ہے، بہت بڑی نصرت ہے۔ بنیادی عمل ہے، اور بنیادی عمل میں شو نہیں ہوتا۔ کیوں کہ شو تو اوپر سے ہوتا ہے۔ بنیادی بات میں کیا شو؟ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نظریہ تھا کہ ہم بنیادی کام کر رہے ہیں کہ ایک ایک مسلمان صحیح عقائد پر آوے کہ اللہ ایک ہے وہ ہی عبادت کے لائق ہے، محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور سچے رسول ہیں، یہ سب تو بنیاد ہے، بنیاد ہی سے اٹھایا ہے، اور بنیاد میں کوئی شو نہیں ہے، اور کوئی شور بھی نہیں، کوئی نعرہ نہیں، کچھ نہیں، یہ خشک ہے، ایسا خشک کہ اپنی بنیاد پر کھڑا ہے، اس لئے اس کو

اسی بنیاد پر رکھ کر کے اٹھانا ہے کہ اس کی سادگی ختم نہ ہو اور اس کا استمرار باقی رہے، اور یہ محنت ہر وقت ہر جگہ جاری رہے، بلکہ اس کی راہیں سوچیں، یہ پانی کہاں کہاں پہنچا سکتے ہیں۔اس سے کس کس کو فائدہ ہوسکتا ہے۔دلوں کی زمین جو خشک پڑی ہے اگر نصرت کریں گے تو پتہ نہیں کہاں کہاں پانی پہونچے گا۔

نینوا کے امام صاحب کی دینی نصرت:

میں نینوا گیا تھا، عراق میں یہ شہر ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی بستی ہے، چار ماہ کی جماعت تھی، ایک مسجد میں گئے تو انہوں نے وہاں ٹھہرنے سے منع کر دیا۔میں نے ظہر بعد ان سے بات کی، امام صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فوراً کہا کہ ہاں ہاں! میں نے پہچان لیا، یہ تو تبلیغی جماعت ہے۔ان سے پوچھا کہ آپ نے کیسے پہچانا؟ کہنے لگے کہ مکہ میں دیکھا تھا۔اصل میں پہلے مکہ میں یہ کام کھلا تھا، تو وہاں جماعتیں جاتی تھیں، میں چار، چھ ماہ مکہ میں بھی رہا۔عصر کی نماز کے بعد حاجیوں کی تشکیل کر کے شہر کے محلوں میں لے جاتے تھے، عصر وہاں جلدی ہوتی ہے، چنانچہ ہم عصر سے مغرب اور عشاء وہاں گشت کرتے اور بات کر کے واپس آ جاتے، تو حرم میں بیٹھ کر کے ان کو دعوت دیتے تھے۔تو اس امام صاحب نے مکہ میں دیکھا تھا، اس طرح امام صاحب مانوس ہو گئے اور گشت کرایا۔تو ہمارا کام تو ایسا ہے کہ اگر کسی نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا تھا وہ دین کا مددگار بن جائے گا۔ہمیں یہی کام کرنا ہے کہ اپنے دین پر قائم رہو اور دین کے مددگار بنو۔

شریعت سنت کی پابندی کو استقامت کہتے ہیں:

دین پر قائم رہنے کو استقامت کہتے ہیں، استقامت یعنی سنت وشریعت کا پابند ہونا اور ہماری یہ محنت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر شریعت وسنت پر چلنے کی طاقت پیدا ہو۔ اور اس محنت سے یہ بات ضرور پیدا ہوگی، ماشاءاللہ یہ ہو بھی رہا ہے، لوگ شریعت وسنت پر اپنی زندگی لا رہے ہیں، غلط زندگیوں کو چھوڑ کر صحیح زندگی پر آرہے ہیں، اور اگر کوئی زیادہ سمجھدار ہوتا ہے تو علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتا ہے۔ علماء سے مسائل پوچھنے چاہئے، مسئلہ معلوم نہیں ہوگا تو گناہ میں پھنسے گا۔ مسائل پوچھنے سے عمل کی غلطیاں دور ہوجائیں گی، اور عمل صحیح ہوجائے گا اور پھر اس کے اثرات دیکھائی دیں گے۔ اللہ نے جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے ہوں گے۔

پانچ کام تو صرف مشق کرنے کے لئے ہیں:

ہمارے کام میں سادگی اور استمرار ہے۔ یعنی سادگی کے ساتھ ہماری زندگی کو شریعت وسنت پر لانا ہے، جتنی شریعت وسنت ہماری زندگی میں ہوگی اتنی دعوت میں اثر ہوگا۔ اور اگر اس سے جہالت ہے تو اس کا بھی دعوت پر اثر پڑے گا۔ یہ صرف پانچ کام کی دعوت نہیں ہے، بلکہ یہ تو اس شریعت وسنت کی دعوت ہے جس کو حضور ﷺ لے کر آئے ہیں کہ وہ ہماری زندگی میں آوے۔ پانچ کام تو صرف مشق کرنے کے لئے ہیں، جیسے بہت سی چیزیں ہم بچوں سے مشق کراتے ہیں، وہ اصل نہیں ہے، اصل تو

آگے جانے کے لئے ہے۔بہت سے نئے نئے ساتھی ہوتے ہیں، نظام الدین جا کر آتے ہیں،ان سے پوچھا جاتا ہے کہ گھر جا کر کیا کرو گے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ پانچ کام کریں گے۔ تو کیا جنازہ میں نہیں جاؤ گے؟ کیوں کہ یہ تو پانچ کام میں ہے نہیں۔میرے بھائیو! پانچ کام تو مشقی ہیں۔بنیادی نہیں ہے۔ بنیاد کلمہ ہے کہ کلمہ والا یقین ،کلمہ والا عمل اور کلمہ والی زندگی بنیں۔باقی مشق کرنے کے لئے مختلف چیزیں ہوتی ہیں، جیسے ورزش کرنے کے لئے بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں۔

پانچ کام تو عمل کا مزاج بنانے کے لیے ہے، پھر کونسا عمل مطلوب ہے؟ کہ وہ عمل مطلوب ہے جو شریعت وسنت کے مطابق ہو، یہ ہمارا نشانہ ہے۔

اخلاص اور اللہ کی مدد یہ اس کام کی بنیادیں ہیں:

مولانا الیاس صاحبؒ کی دعوت سے یہ غرض تھی کہ’’ جَمِيعُ مَاجَاءَ بِهِ النَّبِيُّ ‘‘ یعنی حضور ﷺ جن چیزوں کو لے کر آئے ہیں وہ ہمارا مقصد بن جائے۔اس کی بنیاد اخلاص پر رکھی گئی ہے۔ اخلاص اور اللہ کی مدد یہ اس کام کی بنیادیں ہیں۔اسباب کم ہیں، تعداد تھوڑی ہے، سامان تھوڑا ہے،لیکن اخلاص ہے تو مدد آئے گی، جیسے بدر میں اللہ کی مدد آئی۔ بدر کی لڑائی میں صحابہ کی تعداد کم تھی ،اسباب تھوڑے تھے، سامان بھی کم تھا،لیکن دلوں میں اخلاص تھا کہ اللہ کے دین کا کام کرنا ہے، جیسا آپ فرمائیں گے ایسا ہم کریں گے۔اپنے آپ کو حوالے کر دیا تو اللہ کی مدد آئی۔ پھر اللہ نے حق اور باطل

کو الگ کر دیا اور مدد فرمائی۔ الغرض ہماری بنیاد تو اخلاص ہے۔ اللہ کے لیے کرنا ہے، اپنی کمی اور کوتاہی کا اقرار کرنا ہے، اپنے گناہوں سے روزانہ استغفار اور توبہ کرنی ہے، ہمارا کام تو دعاؤں اور محنتوں کا اہتمام کرنا ہے، اور یہ کب تک کرنا ہے؟ جب تک اللہ ہم کو زندہ رکھے اور جب تک اللہ طاقت دے ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

کمزوروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے:

کمزروں کے ساتھ اللہ کی مدد زیادہ ہوتی ہے، بچہ بہت کمزور ہوتا ہے، جتنا کمزور ہوتا ہے اتنا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، پھر جوں جوں اس میں طاقت آتی ہے وہ خود ہی ماں باپ سے ہٹتا جاتا ہے، اب اس کو ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ باپ بیٹھا ہوا ہے تو بیٹا کہتا ہے کہ ابھی مت کہو، ابا بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اپنا کام الگ سے کرتا ہے، کیوں کہ یہ طاقت والا ہو گیا ہے۔ یہی دستور اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جتنی ہمارے اندر کمزوری ہوگی اللہ اتنی ہی ہماری مدد کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ تمہاری مدد تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ہے کہ گھر میں بوڑھے ماں باپ ہیں، بیٹے کو روزی ملتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں پالتا ہوں، حالانکہ ماں باپ کی وجہ سے اس کو روزی ملتی ہے۔ وہ کمانے نہیں جاتے، کمزور ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے بیٹے کو جوب (دھندھا) اور کام دے دیا۔ ایسے ہی اس کام میں ہے کہ ہم تو کام کریں گے، کمزوری آئے گی تو اللہ مدد کریں گے۔

کام میں اعتدال کیسے آتا ہے؟

محنت کا موقع ہوتو محنت کرنی ہے اور دعاؤں کا زمانہ ہوتو دعائیں کرنی ہے، اگر عبادت کا وقت ہے تو عبادت کرنا ہے اور آرام کا تقاضا ہے تو آرام کر لینا ہے۔ اعتدال اسی سے آتا ہے کہ جس وقت جو کام کرنا ہے وہ کرلو کہ آرام کا تقاضا ہے، آرام کا وقت ہے تو آرام کرلو۔ اس کو اعتدال کہتے ہیں تا کہ ہر چیز اپنی جگہ ہوتی رہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

ہدایت والی جماعتیں

بیان نمبر [۷]

صوبہ گجرات کے ذمہ داروں کا جوڑ

مؤرخہ ۳۰/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹/جنوری ۲۰۱۷ء بروز اتوار

بمقام احمد آباد، صوبہ: گجرات

اقتباس

ہدایت والی دو جماعتیں ہیں ایک انبیاء کرام کی جماعت ہے اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے، نبیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه﴾ پہلے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ کیا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہدایت والے تھے اے نبی! آپ بھی ان کے ساتھ جڑیئے، اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بڑے عالم اور فقیہ صحابی تھے فرماتے ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کا ساتھ دینے کے لئے چنا اور چھانٹا ہے، لہٰذا تم ان کے طریقے، اخلاق اور اعمال اختیار کرو، میں کعبہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صحابہ بالکل ہدایت اور صراط مستقیم پر ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً . اَمَّابَعْد

نعمت بھی غفلت پیدا کرتی ہے:

میرے بھائیو ! اللہ کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکرادا کیا جائے، اور ہمیشہ اس کی نعمتوں کا دھیان اور استحضار کیا جائے، کیونکہ آدمی جب نعمتوں کے استعمال کرنے میں غفلت برتتا ہے تو اس کو اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ اس پر اللہ کے کیا کیا احسانات ہیں، پھر وہ نعمتوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ وہی نعمتیں اس کو غافل کردیتی ہیں۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ نعمتوں سے بھی اس طرح احتیاط کرو جیسے گناہوں سے کرتے ہو، اس لئے کہ جب تک آدمی کے پاس نعمتیں کم ہوتی ہیں تو آسانی سے اللہ کی طرف رجوع کرلیتا ہے، اور جب نعمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اسی لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار ہونا چاہئے، اور دل سے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہنا چاہئے کہ یہ سب تیرا ہی دیا ہوا ہے،

تو ہی کھلا رہا ہے تو ہی پلا رہا ہے زمین و آسمان کی ساری چابیاں تیرے ہی قبضہ میں ہیں جس کو تو کھول دے اسے کوئی بند نہیں کرسکتا اور جسے تو بند کردے اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔

نعمتِ خداوندی کا استحضار ہو:

اس لئے دین کے کام کرنے والوں کو خاص طور سے اللہ کی نعمتوں کا استحضار کرنا چاہئے کہ ہم پر اللہ کا احسان ہے اور اس کی توفیق سے کام کررہے ہیں، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب کو سازگار اور موافق بنادیتے ہیں تو آدمی کام کرتا رہتا ہے، اور توفیق کا سلب ہونا یہ ہے کہ اسباب موافق نہیں ہوتے جس کی وجہ سے آدمی کام نہیں کرسکتا، اسی لئے ہمیں اللہ سے توفیق مانگنی ہے اور توفیق بھی اہل ہدیٰ کی مانگنی ہے، ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّیٓ أَسْئَلُكَ تَوْفِيْقَ اَهْلِ الْهُدیٰ﴾ اے اللہ ہدایت والوں کی توفیق دے۔

ہدایت والی دو جماعتیں:

ہدایت والی دو جماعتیں ہیں ایک انبیاء کرام کی جماعت ہے اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے، نبیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُولٰٓـئِكَ الَّـذِيْـنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه﴾ پہلے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ کیا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہدایت والے تھے اے نبی! آپ بھی ان کے ساتھ جڑئیے، اور دوسری جماعت صحابۂ کرام کی ہے جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بڑے عالم اور فقیہ صحابی تھے فرماتے ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کا

ساتھ دینے کے لئے چنا اور چھانٹا ہے، لہٰذا تم ان کے طریقے، اخلاق اور اعمال اختیار کرو، میں کعبہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صحابہ بالکل ہدایت اور صراط مستقیم پر ہیں۔

توفیق تو خدا ہی دیتا ہے:

اس لئے اللہ سے ہدایت والوں کی توفیق مانگنی ہے اور انبیاء کرام بھی اللہ ہی کی توفیق سے چلتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے تھے ﴿وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ مجھے تو اللہ ہی توفیق دے رہا ہے، اس لئے ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کریں اور اپنی کسی خوبی پر اعتماد نہ کریں، کسی میں کوئی خوبی نہیں ہے اور تمام کی تمام خوبیاں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں، ﴿وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ کی دی ہوئی ہیں، لہٰذا جب تک چاہیں گے رکھیں گے اور جب چاہیں گے کھینچ لیں گے، اس لئے جب بھی کوئی نعمت ملے تو اس بات کا دھیان رکھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ہمارے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔

کفرانِ نعمت محرومی کا باعث ہے:

اللہ کی سب سے بڑی نعمت دین ہے جو ہمیں ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو یہ نعمت جتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ﴾ انصار مدینہ دھیان کرو اللہ کی نعمت کا جو تم کو دے رکھی ہے، ورنہ تو تم آپس میں ایک دوسرے کے

دشمن تھے، اسلام سے پہلے ہر اعتبار سے ذلت کی زندگی گذار رہے تھے، پھر اللہ کی ان پر نظر پڑی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب قریش نے حضور ﷺ کی اور آپ کے کام کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نبی کی نصرت و مدد کے لئے قریش کی جگہ انصار مدینہ کو لے آیا، قریش نے مخالفت کی تو اللہ نے ان کو محروم کر دیا اور کعبہ کی تولیت بھی چھین لی اور ان کا نام ونشان بھی مٹا دیا، حالانکہ یہ لوگ کعبہ کے متولی تھے اور وہی سب کچھ سمجھے جاتے تھے، اور حرم شریف کی تولیت کی وجہ سے بہت عزت کی زندگی گذارتے تھے، لیکن جب حضور ﷺ اور آپ کے کام کی ناقدری کی تو اللہ ان سے بہت ناراض ہوا، اور یہ عادۃ اللہ ہے کہ دین کا کام ملے اور پھر ناقدری ہو تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے کہ تمہیں دین دیا تھا، تمہیں راستہ بتایا تھا پھر جاگتے ہوئے بھی سو گئے۔

انصارِ مدینہ نے اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کی:

تو جب قریش نے نبی کی ناقدری کی اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے تو اللہ ان سے اتنا ناراض ہوا، اور اللہ نے نبی کو قریش سے نکال کر انصار مدینہ کے پاس پہنچا دیا، حج کے زمانہ میں رات کو انصار مدینہ کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مدینہ والے ہیں آپ کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، پھر آپ نے ان کو دعوت دی اور قرآن شریف پڑھ کر ان کو اپنا مقصد سمجھایا تو ان کو بات سمجھ میں آ گئی آپ نے ان کو دعوت

دی اور اپنا ساتھ دینے کو تیار کیا انہوں نے دعوت بھی قبول کی اور ساتھ دینے کو بھی تیار ہوگئے، ان کو اچانک خیر مل گئی، حدیثوں میں ہے کہ اللہ سے اچانک کی خیر مانگو ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ مِنْ فُجَاءَةِ الْخَيْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فُجَاءَةِ الشَّرِ﴾ اے اللہ! اچانک کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اچانک کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں، تو انصار کو اچانک کی خیر مل گئی، پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا اور وہ دو تین مرتبہ آئے، پھر مصعب بن عمیرؓ نے ایک سال بے کسی، بھوک اور پیاس کی حالت میں مدینہ میں کام کیا، اور جب وہاں اسلام پھیل گیا تو جمعہ قائم کیا، نمازیں پڑھوائیں، قرآن پڑھایا، اور جتنا دین نازل ہوا تھا وہ سکھایا۔

آتش پرست کا بیٹا صحابی رسول بن گیا:

اور اللہ کی سنت ہے کہ جو کام کی ناقدری کرے گا اللہ اس کو محروم کردے گا، اور جو قدر کرے گا اللہ اسے آگے بڑھائے گا، سلمان فارسی کو مجوسی کے گھر سے لائے، اور عمر دراز کی کہ عیسیٰؑ کا دور ختم ہو کر حضور ﷺ کا زمانہ آگیا، ماں باپ مجوسی اور آتش پرست ہیں اور ان کو صحابی بنادیا، توریت کے بھی عالم تھے اور قرآن کے بھی عالم بنے۔

امانت ترقی کا بنیادی زینہ ہے:

یہ تو اللہ کی شان ہے کہ دور والوں کو قریب کرتے ہیں اور قریب والوں کو دور کرتے ہیں، اس لئے اللہ سے ہر کوئی ڈرتا رہے اور خیر مانگتا رہے اور اپنی ذمہ داریوں

کوامانت سمجھ کرادا کرتا رہے، بلکہ پوری زندگی اور زندگی کے تمام اسباب امانت ہیں، اورایمان کی دولت اس لئے دی ہے کہ اس میں امانت داری برتے کہ اللہ کی طرف سے زندگی ، اولاد اور مال کی جونعمت ملی ہے اس میں امانت داری کا پاس ولحاظ کرے،اور اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کوترقی دینا چاہتے ہیں تو اسے امانت داروں کے سپرد کرتے ہیں چاہے وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا ہو،اور جس کام کواجاڑنا چاہتے ہیں تو وہ بے ایمانوں کے سپرد کردیا جاتا ہے،کسی ملک کو ویران کرنا ہےتو وہ ظالموں کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کواپنی امانت اور صدق ووفا دکھایئے:

اس لئے اللہ تعالیٰ کواپنی امانت داری اور صدق ووفا دکھانی ہے لوگوں کونہیں ،اور اللہ تعالیٰ تو ہر وقت دیکھتا ہے ﴿فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ اللہ تمہارے اعمال کودیکھتا ہے اور آگے قیامت کے دن بھی بدلہ دینے کے لئے دیکھے گا کہ کونسا عمل قابل قبول ہے اور کونسا قابل قبول نہیں۔

تقویٰ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے:

اور یہی ہمارا سرمایہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ کا تقویٰ آئے ہمارے دلوں میں امانت داری آئے ، اللہ کا خوف آئے ، امت میں سب سے زیادہ خوف حضرت ابوبکرؓ کے دل میں تھا،قرآن جن کواتقیٰ کہہ رہا ہے ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ کہ جہنم سے

وہ بڑا پرہیز گار بچالیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بعد آپ کو خلافت سپرد کی، کیونکہ اللہ اس کام کو آباد کرنا چاہتے تھے، صحابہ کی پوری جماعت تقویٰ والی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ یہ وہ جماعت ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے، اس لئے وہ احکام کے بھی پابند تھے آداب کے بھی پابند تھے، مجلس میں زور سے بات بھی نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور تقویٰ تھا تو اللہ نے ان سے کام لیا اور آخر تک یہی ترتیب رہے گی کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس سے کام لے گا، اس لئے اللہ سے ڈر مانگا جاوے کہ اے اللہ ہمیں اپنا ڈر اور تقویٰ عطا فرما اور ہم سے کام لے، پھر اس کے کام کے ساتھ اللہ کی تائید اور مدد ہوگی، اور ان کے لئے بشارت ہوگی، حدیث پاک میں وارد ہے ﴿طُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّر﴾ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ خیر کا ذریعہ بنائے اور جس کو شر کے مٹنے کا ذریعہ بنائے، مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو خیر کا ذریعہ بناوے اور اللہ سے مانگتا بھی رہے کہ اے اللہ مجھے خیر کے پھیلنے کا اور شر کے مٹنے کا ذریعہ بنا، اور ایک روایت میں وارد ہے کہ ملعون ہے وہ آدمی جو سوئے ہوئے فتنہ جگائے ﴿اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا﴾ دونوں باتیں ارشاد فرمائیں کہ اپنے آپ کو خیر کا ذریعہ بھی بنانا ہے اور فتنے کا ذریعہ بننے سے روکنا بھی ہے۔

خوفِ خدااور یقینِ محکم مخلصین کی امتیازی صفت ہے

اللہ تعالیٰ نے امت کو دین کا جو کام سپرد کیا ہے وہ اللہ کی امانت ہے اس کی پاسداری اور حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اللہ کا ڈر ہی ہے اور یہ صفت اخلاص والے میں ہوتی ہے، اخلاص والے میں دو صفتیں ہوتی ہیں ایک تو اللہ کا ڈر ہوتا ہے جتنا مخلص ہوگا اتنا ڈرنے والا ہوگا، اور دوسری صفت یقین ہے کہ اس کو اللہ پر اس کی قدرت، اس کے وعدوں اور اس کی مدد پر یقین ہوتا ہے کہ ہم سے کیا ہوگا؟ کرنے والا تو اللہ ہے، بناؤ بگاڑ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، حیات اور موت اللہ کے قبضہ میں ہے، تو اخلاص والے میں اللہ کا یقین بھی ہوتا ہے اور اس کا ڈر بھی ہوتا ہے، اور یقین اس کو اللہ کی طرف چلاتا ہے، اور یہ تو قاعدہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کا یقین ہوتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے، اور اللہ کا ڈر اس کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے۔

کشادگی کی امید بہترین عبادت ہے:

اس لئے ایمان خوف ورجاء کے درمیان ہے، ایمان والے کو امید بھی ہوتی ہے کہ اللہ مدد کرنے والا، معاف کرنے والا، آسانی پیدا کرنے والا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ سے اچھے حالات کی امید ہوتی ہے اور اللہ سے امید رکھنا اللہ کو بہت پسند ہے ﴿أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِنْتِظَارُ الْفَرَجِ﴾ کہ اللہ سے آسانی کی امید کرے کہ ابھی تکلیف اور تنگی ہے انشاء اللہ کوئی نہ کوئی آسانی اور کشادگی پیدا کرے گا اور اس کے انتظار میں رہے یہ بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے امیدواروں کو ناامید نہیں کرتا۔

ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے:

لیکن ہاں جھوٹی امید نہ رکھے بلکہ صحیح امید رکھے کہ اللہ سے امید رکھے تو اللہ کو راضی بھی رکھے، اپنی کوتاہیوں، گناہوں اور سستی سے اللہ کو ناراض نہ کرے بلکہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر کے اللہ کو راضی کرتے ہوئے اللہ سے امید وار رہے، اگر ناگوار حالات پیش آجائیں تو بھی نہ گھبرائے کیونکہ دشواری کے بعد آسانی پیدا کرنا اللہ کی سنت ہے، رات ہے تو دن بھی ہوگا، دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ گھبراؤ نہیں کہ دشواری کے پیچھے آسانی بھی آرہی ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کا آغاز مشکلات بھرا:

اللہ کے نبی ﷺ پر بہت دشواریاں اور پریشانیاں آئیں تو یہ آیتیں نازل ہوئیں، آپ پر بہت حالات تھے حد ہوگئی لوگ آپ پر پتھر اور ڈھیلے پھینکتے تھے، پھر ایسا بھی دور آیا کہ ایک وفادار بیوی تھی اس کا بھی انتقال ہوگیا اور چار لڑکیاں چھوڑیں لڑکا نہیں ہے، جس کے گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور بیوی کا انتقال ہوجائے یہ بہت بڑا مرحلہ ہے، ہمارے دیہات والے کہتے ہیں کہ لڑکی کا ٹھکانہ گھر یا گور، یہ باہر نہیں جمتی ہے لڑکا تو باہر بھی جم جاتا ہے، لیکن لڑکی کہاں جائے گی یا تو گھر میں رہے گی یا گور میں رہے گی، تو ایسی بیوی جو بہت ہی زیادہ وفادار اور بہت زیادہ مددگار تھی جس نے اللہ کے نبی ﷺ کا بہت بوجھ ہلکا کیا، حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت

خدیجہؓ کے حالات بیان کرتے تھے، تو حضرت عائشہ کہتی کہ یا رسول اللہ! وہ قریش کی ایک بوڑھی عورت تھی اب اس کا انتقال ہوگیا ہے تو اللہ کے نبی ﷺ فرماتے کہ نہیں عائشہ ﴿إِنَّهَا كَانَتْ كَيْتَ وَ كَيْتَ﴾ وہ ایسی تھی اور ایسی تھی، ان کا بھی انتقال ہوگیا یہ اللہ کی طرف سے حالات ہیں، وہ لوگوں کی طرف سے حالات تھے کہ مار رہے ہیں، تھوک رہے ہیں، ایک چچا تھے مددگار وہ بھی انتقال کر گئے اب کوئی دفاع کرنے والا نہیں رہا، ایمان تو نہیں لائے مگر بہت مدد کرتے تھے، وہ ڈھال بنے ہوئے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی جدائی کا مجھ پر بہت اثر ہوا تھا کیونکہ وہ ڈھال بنے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ گھبراؤ نہیں کہ دشواری کے پیچھے آسانی بھی آ رہی ہے۔

پھر آسانیاں پیدا ہوتی ہیں:

پھر آسانیاں شروع ہوگئیں کہ جو لوگ پہلے تھوکتے تھے اب ان کا یہ حال ہے کہ اگر اللہ کے نبی ﷺ تھوکتے ہیں تو آپ کا تھوک اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اپنے چہرے پر ملتے ہیں، حالات بدل گئے، اب دین کا اور دین کے کام کا استقبال ہو رہا ہے، لوگ خود بخود دین میں داخل ہونے کے لئے آ رہے ہیں اور مسجد نبوی ﷺ میں ان کو ٹھہرایا جا رہا ہے، اور ''سنۃ الوفوذ'' اور ''استوانۃ الوفوذ'' اس کی یادگار ہیں، مسجد نبوی ﷺ میں ایک ستون ہے اس پر لکھا ہوا ہے ''استوانۃ الوفوذ'' یہ نشانی ہے کہ آنے والے مجمع اور وفود کو یہاں ٹھہرایا جاتا تھا۔

تنگی اور دشواری اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے:

کوئی دشواری آئی یا ذاتی یا دینی حالات آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں پھر اگر دشوار آئی ہے تو آسانی بھی آئے گی دشواری پیدا کرنے میں اللہ کی کوئی حکمت ہے اور آسانی کرنے میں اللہ کا فضل ہے، اللہ تعالیٰ کبھی حکمت اور قدرت سے کام کرتے ہیں تو کبھی فضل کرتے ہیں، اس میں اللہ کی کیا کیا حکمتیں ہیں ہم نہیں جانتے۔

حکمت بھی مخفی ہوتی ہے اسی طرح قدرت بھی مخفی ہوتی ہے، بندوں کو آزمایا، بیماری اور تنگی میں مبتلاء کیا تو یہ حکمت کا تقاضا ہے کہ ایسا کرنا ضروری ہے، جیسے بدن کے علاج کے لئے کڑوی دوا یہ حکمت کا تقاضا ہے، ایسے ہی تربیت میں بھی اللہ تعالیٰ ناگوار حالات پیدا کرتے ہیں اس لئے کہ یہ حکمت کا تقاضا ہے، پھر آسانی پیدا کردی جاتی ہے۔

عارف باللہ حالات سے خوفزدہ نہیں ہوتا:

اسی لئے جو لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں وہ گھبراتے نہیں ہیں اس لئے کہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ اس میں اللہ کی کوئی حکمت ہے، اللہ کسی پر ظلم تو کرتا نہیں ہے اس لئے اللہ کی قدرت پر بھی ایمان لانا ہے اور اللہ کے فیصلوں پر بھی ایمان لانا ہے۔

خدا گر بحکمت بِبَنْدَد دَرے ☆ گشاید بفضلش دَرِ دیگرے

اگر خدا نے کسی حکمت سے کوئی دروازہ بند کیا ہے تو گھبراؤ مت، اس کے فضل سے دوسرا دروازہ کھلنے والا ہے۔

اللہ کی شان نرالی ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اللہ اپنی شانوں کو ظاہر کرتے ہیں، کسی کو مالدار بنا کر پالیں گے تو کسی کو غریب بنا کر، کسی کو فقیر اور بھکاری بنا کر پالیں گے تو کسی کو پاگل بنا کر پالیں گے یہ شُئُونِ ربانیہ کہلاتی ہیں حکومتوں کی طرح نہیں کہ حکومت صرف مال دے سکتی ہے اور بس، روزانہ اخباروں میں آتا ہے کہ اتنا اتنا منظور کیا ہے، کیونکہ ان کے پاس دوسرا کچھ ہے ہی نہیں، یہ بھی مال کے محتاج وہ بھی مال کے محتاج، لیکن اللہ ایسا نہیں ہے، وہ تو اپنی شان سے پالتے ہیں، رب ہونا اللہ کی شان ہے، سمندر کی مخلوق کو اور جنگل کے بڑے بڑے جانوروں کو کھانا کون دیتا ہے؟ اور کون پالتا ہے؟ ان کے بچے بھی ہوتے ہیں۔

کوئی امیر تو کوئی فقیر:

نظام الدین میں قریش مسجد ہے وہاں میں نماز پڑھنے جاتا تھا وہاں سونے کی ایک دکان تھی جہاں لوگ سونا خریدتے تھے اور جب رات کو وہ بند ہو جاتی تو ایک فقیر بالکل بدحال اس کے دروازے پر آکر سو جاتا تھا یہ اللہ کی شان ہے ایک کو سونا دے کر پالتا ہے اور دوسرے کو بدحال کر کے پالتا ہے، اللہ کو پہچاننے والے اس کی شان سے

پہچانتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس کا کوٹا ختم ہوگیا بلکہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کسی بھی حال میں ہو ہم اسے اپنی شان سے پال سکتے ہیں تا کہ دنیا دیکھے اور اللہ کو پہچانے جب ہم چھوٹے تھے اس وقت کتابوں میں پڑھتے تھے کہ ایک کوتو سونے کی تھیلی کی تھیلی دیدی ہے اور دوسرا اس حال میں رات گذارتا ہے کہ بچوں نے ابھی تو روٹی کھالی ہے صبح میں کیا کھائیں گے، تو حالات میں مبتلاء کر کے بھی پالتے ہیں اور حالات درست کر کے بھی پالتے ہیں کسی بھی حال میں گھبرانا نہیں چاہئے اس لئے کہ ہمارا کام بنانے والا تو ایک اللہ ہے، جو ہم کو پیدا کرنے والا ہے، موت دینے والا ہے، اور حیات وموت کے بیچ میں بھی جتنے حالات ہیں وہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب چاہیں گے کام بنادیں گے۔

کمزور خدائی مدد کا مستحق ہے:

اس لئے اللہ سے امیدوار رہنا ہے ﴿أَبْشِـرُوْا وَ أَمِّلُوْا﴾ اللہ تعالیٰ کی بشارتیں سنو اور اس سے امیدوار رہو، اللہ ایسے حالات لائے گا کہ تمہیں خوش کردے گا، اور یہ اس لئے سمجھایا کہ کوئی اللہ سے کٹے نہیں، اور اللہ سے کٹ کر کہاں جائے گا؟ اس لئے کوئی اللہ سے نہ کٹے اور نہ اللہ کے کام سے، بلکہ اپنے آپ کو اللہ کے کام کا، اس کی نعمتوں اور مددوں کا محتاج بنائے، جتنا احتیاج اتنی مدد اور جتنی کمزوری اتنی تائید، اس لئے اللہ کو اپنی کمزوری دکھاؤ کہ اے اللہ ہم کمزور ہیں، اللہ کی مدد تو کمزوروں کے ساتھ ہے۔

بچہ جتنا کمزور ہوتا ہے اس کی دیکھ بھال اتنی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ کمزور ہے پھر جوں جوں بڑا ہوتا ہے اور اس میں طاقت آنے لگتی ہے تو اس کی دیکھ بھال بھی کم ہو جاتی ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد ہو گی، اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے پھر یہ کیسے ہو گا کہ اللہ ہمیں کمزور دیکھے اور ہماری مدد نہ کرے ہم جب کسی آدمی کو کمزور دیکھتے ہیں تو اس کی مدد کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ بیچارہ پیاسا ہے اپاہج ہے اور اللہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

سچوں کے ساتھ خدائی مدد ہوتی ہے:

سچوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سچوں کے ساتھ رہو ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ اور سچے کہتے ہیں ظاہری اور باطنی اعتبار سے وفاداری کرنے والوں کو، صحابہ کو اللہ نے سچا قرار دیا کہ یہ سچے ہیں، مہاجرین اور مجاہدین کو بھی سچا کہا کہ جو ایمان کے ساتھ جان مال کی قربانی دے، اور پھر ساری امت سے فرمایا ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ سچوں کے ساتھ رہو، صحابہ کے نقشِ قدم پر چلو، ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہوئی تھی اور ان کے لئے مغفرت اور مدد و نصرت کے وعدے ہوئے تھے اس لئے ان کے ساتھ رہو۔

بندہ ہر وقت خدائی مدد کا محتاج ہے:

اس لئے اپنے آپ کو سچا، وفادار اور امانت دار بناؤ اور اس کے ساتھ ساتھ

سچوں، وفاداروں اور امانت داروں کے ساتھ رہو، دل میں کوئی غرض یا کوئی ہوس وغیرہ نہ آئے، اللہ تعالیٰ دلوں پر نظر کرتے ہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی، وفاداری اور کمزوری دکھانی ہے کہ اے اللہ ہم کمزور ہیں، کمزوری دکھا دکھا کر اللہ سے مدد مانگو، اللہ کو اپنی طاقت مت دکھاؤ، حنین کے میدان میں صحابہ نے کہا کہ اب کیا پرواہ ہے ہمارے پاس بہت بڑا عملہ ہے تو اللہ نے مدد کھینچ لی تو بارہ ہزار بکھر گئے اور حضور ﷺ کے ساتھ صرف چند لوگ رہ گئے اور یہ بتایا کہ تمہاری طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہے بلکہ ہماری مدد سے ہوتا ہے، تو اپنے آپ کو اللہ کی مدد کا اہل اور لائق بنانا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے کمزور بتائیں کہ ہم تیری مدد کے ہر وقت محتاج ہیں۔

ہمارا مقصد آخرت ہو:

اور ہمیں اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے، چاہے دنیا کچھ بھی کہے یا چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں، اللہ کو اخلاص دکھائیں اور اللہ کے بندوں سے ہمدردی کریں، جو اللہ اور آخرت کے لئے کرے گا وہ تو اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک آخرت میں نہیں پہنچ جاتا اس لئے کہ اس کے سامنے آخرت ہے تو دین کا کام کرنے والوں کے سامنے بھی آخرت ہونی چاہئے کہ اس طرز و طریقے سے آخرت سنوارنی ہے اور بس ﴿إِنَّمَا هِمَمُنَا الْآخِرَةَ﴾ صحابہ فرماتے تھے کہ ہمارے عزائم اور ارادے آخرت بنانے کے ہیں، اپنی دنیا سے آخرت بنانے والا عقلمند ہے

اور دنیا سے دنیا بنانے والا نادان ہے، اس لئے اپنے آپ کو نادانی میں نہ ڈالیں اپنی صلاحیتوں سے اپنی آخرت بنائیں۔

دنیا ہماری بڑی فکر نہ ہو:

اللہ تعالیٰ آخرت فراخ دلی سے دیتے ہیں اور دنیا تھوڑی دیتے ہیں، ایک سبحان اللہ کا ثواب احد پہاڑ سے بھی بڑھ کر ہے، مولانا الیاس صاحب فرماتے تھے کہ ایک سبحان اللہ پر اتنا دیتے ہیں تو باقی اعمال پر کیا دیں گے؟ سوچو، اس لئے ہمیشہ آخرت بنانے کی فکر کریں، دنیا کو اپنی فکر بنانے سے منع فرمایا ہے ﴿أَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا﴾ اے اللہ ہمارے دین پر کوئی مصیبت نہ آوے دین اور دین کا کام سلامت رہے، اور دنیا کو ہماری بڑی فکر نہ بنا کہ اس کے علاوہ اور کسی کی فکر ہی نہ ہو۔

صرف چلت پھرت نہ ہو:

اللہ کی کثرت سے عبادت کرے صرف چلت پھرت پر اعتماد نہ ہو، چلت پھرت ضروری ہے لیکن عبادت، ذکر، اخلاص اور اخلاق کے ساتھ، اگر چکی خالی چلتی رہے تو آٹا نہیں آئے گا، بلکہ اندر دانے ڈال کر چلاتے ہیں تو چاروں طرف آٹا باہر آتا ہے ایسے ہی دین کی چلت پھرت قربانیوں، عبادات، اللہ کے ذکر، توبہ واستغفار اور بندوں کے اکرام کے ساتھ نافع اور مفید ہے، حضرت جیؒ فرماتے تھے کہ فساد جب سے شروع ہوا اکرام کم ہو گیا۔

اخلاق بھی دعوت کا ذریعہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اخلاق کا اونچا معیار دے کر بھیجا تھا آپ ﷺ نے اخلاق کے ذریعہ ہی دین کی دعوت دی اور اخلاق بھی مخالفوں کو دکھائے احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرنا یہ تو تجارت ہے، اس کے ساتھ احسان کرنا جس نے نقصان پہنچایا تو یہ نبوت والے اخلاق ہیں۔

نبوی اخلاق کا ایک واقعہ:

حضور ﷺ پر جادو کیا تو چھ مہینے تک اثر رہا اور بہت سخت اثر تھا آخری قسم کا جادو تھا اور بڑی رقم دے کر کروایا تھا اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بہت پریشانی ہوئی پھر وہ راز کھلا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اور فلاں کنویں میں رکھا ہوا ہے پھر وہ جادو ختم ہوا اور پتہ بھی چلا کہ کس کس نے کیا تھا اور ثابت بھی آسمانی وحی کے ذریعہ ہوا ہے کہ فلاں فلاں نے جادو کیا ہے اب اس سے زیادہ پکی گواہی اور کیا ہوگی؟ لوگوں نے رائے دی کہ آپ ان کو سزا دیں تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کو کیوں سزا دوں اللہ نے تو مجھے صحت یاب کر دیا ہے۔

اللہ کو اخلاص دکھاؤ اور بندوں کو اخلاق:

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتے تھے کہ جو لوگ آپ کو تکلیف دے رہے ہیں ان سے درگذر کرو ان کو معاف کرو اور صبر کرو یہ بھی تبلیغ ہے تو ہمیں بھی صبر اور درگذر کرنا ہے بدی کا جواب ہمیں نیکی سے دینا ہے اور بدسلوکی کے جواب میں احسان کرنا ہے یہی اصل تبلیغ ہے، تو

بندوں کے ساتھ اکرام، معاف کرنے اور درگذر کرنے کا معاملہ ہو اور اللہ کے ساتھ اخلاص کا معاملہ ہو، کہ اللہ کو اخلاص دکھاؤ اور بندوں کو اخلاق دکھاؤ۔

اختلاف ہو لیکن اکرام کے ساتھ:

صحابہ میں اختلاف بھی ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ اکرام بھی تھا، حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا بہت بڑا اختلاف ہوا دونوں طرف فوجیں ہیں حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کی فوج میں تھے اور جب کھانے کا وقت ہوتا تھا تو حضرت معاویہؓ کی فوج کے ساتھ کھانا کھاتے تھے لوگ کہتے تھے کہ آپ تو حضرت علیؓ کی فوج میں ہیں تو کہتے کہ ہاں حق پر وہ ہیں اور کھانا اِن کا اچھا ہے، حضرت علیؓ حق پر ہیں اس لئے ان کا ساتھ دے رہا ہوں، غلط کا ساتھ تو نہیں دے سکتا یہ قاعدہ ہے کہ حق ہے تو ساتھ دو اور غلط ہے تو ساتھ مت دو اور کھانا حضرت معاویہ کے ساتھ اس لئے کھایا کہ وہ شامی تھے اور شام میں باغات اور زرخیز زمین ہے اور پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے، تو حضرت علی کی فوج میں تھے لیکن جب کھانے کا وقت ہو تو حضرت معاویہ کے پاس جاتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں اور وہ کھلاتے بھی تھے، یہ نہیں کہ ہماری مسجد میں مت آنا یہ نہیں ہوتا تھا، وہ کھلاتے تھے کہ آؤ کھاؤ کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں یہ واقعہ حضرت جیؒ نے حیاۃ الصحابہ میں لکھا ہے اس لئے رایوں کے اختلاف کے ساتھ اکرام بھی ضروری ہے۔

اختلاف کے بھی آداب ہیں:

جس طرح نماز کے آداب ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے آداب ہیں تو ایسے

ہی اختلاف کے بھی آداب ہیں، چنانچہ بغیر کسی جائز سبب کے لڑنا جائز نہیں، بیوی کے ساتھ بھی لڑنا ناجائز ہے ہاں غلطی بتانا، غلطی کی اصلاح کرنا، ہمدردی کرنا، دعاء مانگنا یہ دین ہے اور اگر غلطی نہیں مانتا تو اس کے لئے دعاء کی جائے۔

ضد نے ابوجہل کو محروم کردیا:

ابوجہل کے لئے اور حضرت عمر کے لئے دعاء ہورہی ہے حضرت عمرؓ کو اللہ کے نبی ﷺ دعاء سے لائے ہیں اللہ سے مانگا ہے کہ ان میں سے ایک دیدے ابوجہل ضدی تھا تو اسے خیر نہیں ملی ورنہ دعاء تو دونوں کے لئے ہوئی تھی اللہ ضدی کو نامراد کرتے ہیں جو بھی ضد کرے گا وہ نامراد ہوگا﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾ کہ جو ضدی بنے گا وہ نامراد ہوگا تو حضور ﷺ کی دعاء میں بھی اس کو حصہ نہیں ملا، اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضدی تھا، وہ جانتا تھا اور مغیرہ بن شعبہ سے اس کا اقرار بھی کیا کہ صحیح دین تو انہیں کا ہے لیکن چلنے نہیں دینا ہے، مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو دعوت دی تو اس نے کہا کہ آپ ابھی تک ہم سے ناامید نہیں ہوئے پھر جب اللہ کے نبی ﷺ تشریف لے گئے تو مغیرہ بن شعبہ سے کہا کہ بات تو ان کی صحیح ہے مگر چلنے نہیں دینی ہے اس لئے کہ وہ چودھری اور قوم کا بڑا تھا لیکن دنیا سے نامراد گیا۔

اختلاف تو ہونے ہی والا ہے:

ہاں اختلاف ہوگا لیکن اس کے آداب کے ساتھ ہو جو حد اختلاف کی ہے وہ تو رہے گی کہ جو غلط ہے تو اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا چاہے کتنا بھی اختلاف ہوجائے

اور صحیح کو چھوڑا نہیں جائے گا یہ قاعدہ ہے،قرآن واحادیث اور سیر صحابہ میں جو چیز ہو وہ تو صحیح ہے اس کو چھوڑا نہیں جائے گا،تمام نبیوں سے لوگوں نے اختلاف کیا تو کیا ہم ان کو چھوڑ دیں، مکہ والے باہر سے آنے والوں کو حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس آدمی کی وجہ سے ہماری جماعت میں پھوٹ پڑی ہے اور ہمارے قبائل میں کوئی لڑائی نہیں تھی اب اس کی وجہ سے باپ بیٹے سے میاں بیوی سے بھائی بھائی سے جدا ہو گئے ہیں اس نے ہمارے خاندانوں میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ہمارے کاموں میں مشکلیں کھڑی کر رکھی ہیں،تو کیا اس اختلاف کی پرواہ کریں گے، پھوٹ تو پڑے گی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگا،اللہ باطل کو واضح کریں گے اور حق کو لوگوں کے سامنے لائیں گے۔

حق میں دیر ہے اندھیر نہیں:

حق آہستہ آہستہ پھیلتا ہے اور باطل جلدی پھیلتا ہے اس لئے جو حق پر ہو وہ صبر کرے جیسے درخت آہستہ آہستہ اگتا ہے جلدی سے نہیں اگتا وہاں تک اس کی دیکھ بھال کرنی ہے پھر وہ پھل دیتا رہے گا اس کی کاروائی پوری ہوگئی اسی طرح حق کی کاروائی پوری کرنی پڑتی ہے پھر اللہ تعالیٰ حق کو دھیرے دھیرے پھیلاتا ہے۔

اختلاف تو امام شافعیؒ کو بھی تھا:

چاروں اماموں میں اختلاف ہے تو کیا ہم ان سب کو چھوڑ دیں گے امام ابوحنیفہؒ

کی مسجد جامع ابوحنیفہ بغداد میں ہے بہت بڑی مسجد ہے امام شافعیؒ کا سفر ہوا تھا تو انہوں نے وہاں نماز پڑھی تھی تو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا حالانکہ ان کے نزدیک رفع یدین سنت ہے اور ایسی نماز پڑھی جیسے ہم پڑھتے ہیں بعد میں لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک تو ہاتھ اٹھانا سنت ہے تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس قبر والے سے مجھے شرم آئی کہ ان کے مذہب میں رفع یدین نہیں ہے تو میں ان کے سامنے کیسے ہاتھ اٹھاؤں، ہاتھ اٹھانا بھی سنت اور نہ اٹھانا بھی سنت یہ کوئی جھگڑے کی چیز نہیں ہے تو اختلاف بھی ہے اور ادب بھی ہے اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اختلاف میں کوئی ادب نہیں رہا۔

عقلمند اور دانا کو اختلاف ہوتا ہے:

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ان دونوں میں اختلاف ہوتا تھا اور بہت زیادہ اختلاف ہوتا تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ کبھی مل کے نہیں بیٹھیں گے لیکن کچھ دیر کے بعد ایسے ہو جاتے کہ کچھ ہوا ہی نہیں حضرت عثمانؓ کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ حضرت عمر کے بعد اگر کوئی ان کی جگہ بیٹھ سکتا ہے تو وہ حضرت عثمان ہیں ان کو لوگ ردیف کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے بعد اگر کوئی کام کرے گا تو یہ کرے گا، جو سمجھدار ہوتا ہے اس کو اختلاف بھی ہوتا ہے اور جو نادان ہوتا ہے اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، ایک بات حضرت عمر کہتے تھے تو حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ ایسا نہیں، اور وہ بھی ضد میں نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ بات کو سمجھ رہے ہیں، اور اختلاف کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ

اختلاف رحم دلی سے ہوتا تھا، تو اختلاف تو ہر جگہ ہوتا ہے گھروں میں خاندانوں میں گاؤں والوں میں لیکن ہمیں تو آداب اور اخلاص سکھلائے ہیں اور ہمارا اخلاص ہمارے کام کی وجہ سے ہے ہمارے نام کی وجہ سے نہیں کہ میری بات ہو اور میری بات چلے اس لئے نہیں بلکہ صحیح ہو اور صحیح چلے۔

اختلاف رحمت بھی ہوسکتا ہے:

اختلاف آداب کے ساتھ ہو تو یہ اختلاف رحمت ہے حدیث میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے کیونکہ اختلاف میں بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں مشورہ میں بہت ساری رائے آتی ہیں، جب ایک چیز پر بہت ساری رائیں آئیں تو بہت ساری چیزیں کھلے گی اس لئے کہا کہ رائے لو رائے دو اور کام کرو، اور مشورہ کو اپنی بنیاد بناؤ، مشورہ نہ بگاڑو بلکہ اس کے مطابق کام کرو۔

مشورہ نبوی ہدایت ہے:

حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ کی وفات ہوگی اور آپ کے بعد بھی بہت سے مسائل پیش آئیں گے ہم قرآن میں تلاش کریں گے اگر اس کا حل قرآن میں نہ ملا تو احادیث میں تلاش کریں گے اگر احادیث میں بھی اس کا حل نہ ملا تو کیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ پابند اور پرہیزگاروں کو جمع کرو اور ان سے مشورہ کرو، ایک آدمی پر دارومدار مت رکھو یہ نبوی ہدایت ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک شوریٰ بنائی:

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے تو خطبہ میں فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک مرغے نے میرے پاؤں میں چونچ ماری تو اسماء بنت عمیس نے جو کہ ایک جلیل القدر صحابیہ ہیں جنہوں نے حبشہ کی بھی ہجرت کی ہے اور مدینہ کی بھی ہجرت کی ہے، انہوں نے تعبیر دی کہ کوئی غیر عرب آدمی آپ کو قتل کرے گا تو حضرت عمرؓ نے سوچا کہ پتہ نہیں کب میرا قتل ہو جائے تو انہوں نے چھ آدمیوں کو متعین کر دیا کہ میرے بعد یہ لوگ مل کر طے کریں گے کہ ذمہ دار کون ہوگا، یہ احتیاط ہے اور وہ چھ حضرات جن کو حضرت عمرؓ نے طے کیا تھا ان کو حضور ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی عشرۂ مبشرہ میں سے تھے تو مشورہ کی جماعت بنادی اور ان کو ہدایتیں دی کہ اس طرح کام کرنا، اس لئے کہ کام کو مشورہ سے انجام دیا جائے گا، کام کرنا ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ امت میں پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والے اس کو سوچیں، جس قدر اللہ سے ڈرنے والا ہوگا اسی قدر اللہ سے ڈر کر اس کو امانت سمجھ کر کام کرے گا، کیونکہ یہ تو دین ہے اور دین پر کسی ایک کا حق نہیں ہے اور وہ کسی کی میراث نہیں، اس کو سب مل کر سنبھالنا ہے اللہ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اللہ کی رسی کو سارے مضبوطی سے تھام لو اس رسی کو مضبوطی سے تھامنا یہ سب کے ذمہ ہے۔

جو دعویٰ کرے گا اللہ اس کو جھوٹا ثابت کرے گا:

اس لئے اپنے کام کو اللہ کی امانت سمجھنا ہے اور ڈرتے رہنا ہے کہ نہ معلوم اللہ کے یہاں قبول ہے یا نہیں کیونکہ اللہ ہی نے اس کی توفیق دی ہے ورنہ تو میں نے کیا کیا ہے؟ ہمارے کام میں لگنے کے اسباب اسی نے تو پیدا کئے ہیں ﴿هُــــوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ﴾ اللہ اول ہے سب سے پہلے کام کرنے والا اللہ ہے اور اللہ آخر بھی ہے جب کوئی نہیں ہوگا اس وقت بھی اللہ ہوگا، جب کوئی نہیں تھا اس وقت بھی اللہ تھا تو سب سے پہلے سمجھنا یہ ہے کہ میرا کوئی کارنامہ نہیں ہے مجھے تو اللہ نے توفیق دی ہے اور اس بات کا دھیان رہے کہ اللہ کی مجھ پر نظر ہے کسی بات کا دعویٰ نہ کرے جو دعویٰ کرے گا اللہ اسے جھوٹا ثابت کرے گا کہ تم کرنے والے کون ہوتے ہو یہ تو ہم نے کیا ہے۔

یہ چمن رو رو کر تعمیر کروایا ہے:

جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ حضرت ہمارے دارالعلوم دیوبند کے لئے دعاء فرمائیں تو حضرت نے کہا اچھا دارالعلوم تمہارا ہو گیا؟ راتوں کو اس کے لئے ہم روئیں ہیں کہ اللہ کوئی ایسی چیز قائم کرے جس کی وجہ سے ملک میں دین کی حفاظت ہو اور آج دارالعلوم تمہارا ہو گیا تو رونے والے رو کر اللہ سے کام کرواتے ہیں اور کوئی جانتا بھی نہیں کہ یہ کام کس کی وجہ سے ہوا، کام کرنے والا تو صرف اللہ ہے اور ہم رو کر اللہ سے کام

کروانے والے بنیں کوئی نہیں جانتا کہ ان کے راتوں میں رونے کی وجہ سے دارالعلوم قائم ہوا وہ تو رات کے اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں اور سیدھے نشانے پر لگتے ہیں رات کوان کی دعائیں اوپر جاتی ہیں۔

کام کرنا ہے، دعویٰ سے بچنا ہے:

تو اللہ نے اس کام کو دعاؤں سے جاری کیا اور دعاؤں ہی سے جاری رہے گا، دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلتا اللہ کہتے ہیں کہ کام تو ہم کررہے ہیں تم کون ہوتے ہو؟ سب کچھ اللہ کا ہے ہم بھی اللہ کے ہیں تو ہم اپنے آپ کو اور اس کام کو اللہ کے حوالے کریں کہ اللہ ہماری اور اس کام کی حفاظت فرمائے، ہمیں استقامت دے اور موت تک اس کام کے کرنے کی توفیق دے، اور اس بات سے ڈرتے رہنا ہے کہ ہماری وجہ سے کوئی فتنہ نہ ہو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ملعون ہے وہ آدمی جس نے سویا ہوا فتنہ جگایا، تو اس سے ڈریں اور بچیں ورنہ تو ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، ہمیں اپنی، اپنے دین کی اور اپنے کام کی حفاظت کرنی ہے اور ساری امت کا اپنے اوپر حق سمجھنا ہے اور ان کے لئے میں جتنا کرسکتا ہوں اتنا کروں، امت کی ہمدردی کرنا نبیوں کی سنت ہے ہر نبی اپنی قوم اور امت کے ہمدرد تھے وہ مانیں تب بھی اور نہ مانیں تب بھی اور یہی اصل ہے کہ امت کے غریبوں، بے کسوں اور بے دینوں میں دین آئے اور ان میں جا کر کام کریں۔

مخالفت نے دعوت کو بہت نقصان پہنچایا:

اور مخالفت کے ماحول میں اکرام کریں، جو دوسروں کو اپنا مخالف سمجھے گا وہ دعوت کیسے دے گا؟ وہاں تو دعوت ہی ختم ہوگئی پارٹی ہوگئی کیونکہ مخالفت کا انجام پارٹی ہے اور دعوت میں کوئی پارٹی نہیں ہوتی یہ تو ولیمہ کی طرح ہے کہ جس کو دعوت دی ہے وہ میرے مہمان ہیں اور وہ دعوت کھانے آئے تو میں ہی نہ رہوں گا تو یہ دعوت نہیں بلکہ عداوت ہوئی اور یاد رکھو کہ جب دعوت میں خرابی ہوگی تو عداوت ہی ہوگی اور جو جان مال اللہ پر لگ رہا تھا اب وہ دوسروں پر لگے گا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایسے مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو، جو طاقت دشمنوں پر لگتی تھی وہ اندر ہی اندر لگ گئی۔

یہ سب ہمارے بھائی ہیں:

تو دعوت دینے والے کا کوئی مخالف نہیں ہے سوائے شیطان کے، یہ سب ہمارے ہیں، جب حضرت علی سے لوگوں نے بغاوت کی اور شکست کھا گئے تو حضرت علی کی فوج نے کہا کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہئے جو ہارنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی عورتوں کو باندیاں بنائی جائیں ان کے مالوں کو غنیمت بنا لیا جائے تو حضرت علی نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے بھائی ہیں ان کا مال ان سے نہیں لیا جائے گا رہی بات بغاوت کی تو اس کی سزا انہیں مل چکی ہے۔

دورعلوی اختلاف میں ہمارے لئے اسوہ ہے:

حضرت علیؓ کا زمانہ اختلاف کو سمجھنے کا زمانہ تھا کہ اگر اختلاف ہو جائے تو کیا کیا جائے، اس وقت وہی کیا جائے جو حضرت علیؓ نے کیا، حضرت عثمانؓ کا زمانہ بھی اختلاف کا تھا انہوں نے صبر کیا ہے اور حضرت علیؓ نے انصاف کیا ہے حضرت عثمانؓ نے بہت صبر کیا ہے لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ آپ کو گھیر لیا گیا ہے اور آپ کے قتل کے منصوبے بن چکے ہیں اور یہ باغی لوگ آپ کو نماز بھی نہیں پڑھانے دیتے اور خود نماز پڑھاتے ہیں آپ ہمیں اجازت دیں ان کی کیا مجال کہ وہ مدینہ میں آپ کو قتل کریں تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میری وجہ سے مدینہ میں خون بہے میں اس کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا اور اگر وہ مجھے قتل کر دیں تو میں صبر کروں گا۔

کچھ اہم ہدایات:

یہ سب باتیں دین اسلام کی تعلیمات ہیں لیکن چونکہ ہم بے خبر ہیں اور جہالت سے حقوق کی پائمالی ہوتی ہی ہے اس لئے ہمیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے توبہ اور استغفار کے ساتھ ساتھ صبر بھی کرنا ہے اور اکرام بھی کرنا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے اور اللہ سے ثابت قدمی مانگنی ہے تاکہ پاؤں نہ پھسلے، کبھی غلطی اور گناہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے نہ اللہ سے مایوس ہونا ہے اور نہ کام کو ترک کرنا ہے، اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے کوئی بھی گناہگار ہو توبہ کرے گا اللہ اسے معاف

کردے گا اور ہر روز رات کو اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی گناہوں کی معافی چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں اس وقت اللہ سے مانگیں کہ ہم گناہگار ہیں ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں اور ساری امت کو استقامت نصیب فرما، ہمارا کوئی مخالف نہیں ہے کیونکہ سب کو دین سکھانا ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے خود دین سیکھنا ہے اور اس کا میدان امت ہے۔

احسان اور انصاف کرنے کی ہدایت دی کہ احسان کرو چاہے اپنا ہو یا پرایا ہو سب کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور انصاف یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور مزید اس کے ساتھ احسان بھی کرے یہ طریقہ نبوت کا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔(آمین)

ایمان ویقین کے برکات

بیان نمبر [۸]

ضلع بھروچ کا عمومی اجتماع

مؤرخہ ۲۹ رصفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۹ رنومبر ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب

بمقام خانپور، بھروچ ، صوبہ :گجرات

اقتباس

ہمیں ایمان ،اعمال اور اخلاق تین چیزیں بنانی ہیں۔ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر لے جاوے،ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے فرائض ادا کراوے۔ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے حرام سے بچاویں،ایسا ایمان بنانا ضروری ہے۔ایمان بنے گا تو دین زندگیوں میں بھی رہے گا اور دنیا میں بھی آوے گا، ہر کام کے تقاضے ہوتے ہیں، آدمی دکان کے تقاضے پورا کرتا ہے، دکان پر جاتا ہے، آتا ہے، ایسے ہی علاج کا تقاضا ہوتا ہے، شادیوں کا تقاضا ہوتا ہے، یہ دنیا ہے، لوگ تقاضوں پر جاتے ہیں۔اسی طرح دین کے بھی تقاضے ہیں، اس کے لئے جاؤ، آؤ۔تقاضے پورے ہوں گے تو دین زندہ رہے گا، اس کے لئے ایمان بنانے کی ضرورت ہے کہ اپنا ایمان ایسا بناوے کہ جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر گھڑا کرے۔ یہ تو فرض ہے، اور کرنا ہی کرنا ہے۔اس کے لئے دین کی محنت کرنی ہے تا کہ اعمال صحیح ہو جاوے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِیْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰه فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِیْکَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَلّٰی اللّٰه تَعَالٰیٰ عَلَیْهِ وَعَلٰیٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً . اَمَّابَعْدُ

مؤمنین پر اللہ کا سب سے بڑا احسان:

میرے پیارے بھائیو! اللہ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، اتنی زیادہ کہ گنی نہیں جا سکتی، سب سے بڑی نعمت جو اللہ کی طرف سے ہم کو ملی ہے وہ اللہ کا دین ہے۔ دین دے کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے، اس بات کو جتایا بھی ہے۔﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ ﴾ مسلمانوں پر، ایمان والوں پر اللہ نے احسان کیا ہے، یوں تو بہت سارے احسانات ہیں، سارے اللہ ہی کے احسان ہیں، اور کون احسان کرنے والا ہے، لیکن اس بات کو خاص طور پر ذکر کیا کہ ہم نے احسان کیا ہے ایمان والوں پر کہ ان میں اللہ نے ایک رسول بھیجا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، اس سے بڑا کوئی انعام نہیں۔

دین رہا تو یہ دنیا رہے گی:

دنیا کی سلامتی، ہماری کامیابی، اور آخرت کی کامیابی ان سب کا تعلق دین سے ہے، اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ دین اور دنیا کی سلامتی ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ اگر ہمارا دین رہا تو یہ دنیا رہے گی ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کر ختم کردیں گے۔ انسان کو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، لہذا جب کوئی عبادت نہیں کرے گا تو دنیا ختم کردیں گے۔ دین کا اتنا بڑا درجہ ہے، دین کے وجود سے دنیا کا وجود ہے۔ لہذا دنیا اور دنیا کے حالات سے ہم متاثر نہ ہوں، کیوں کہ ہمارا دین ہوگا تو دنیا باقی رہے گی، حاکموں کی حکومت، تاجروں کی تجارت، دنیا کی جتنی چیزیں ہیں وہ دین کی وجہ سے باقی رہے گی۔

ایمان کی وجہ سے برکت اور بدلہ دونوں ملتے ہیں:

یہ جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے ہماری کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہو رہا ہے، نہیں تو اگر ہم دین والے ہو گئے تو آسمان اور زمین کی برکتیں دی جائیں گی۔ یہ فرمایا ہے اللہ نے: ﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ ﴾ یہ شہروں میں بسنے والے ایمان اور تقوی والی زندگی گذارے تو آسمان سے بھی برکتیں آویں اور زمین سے بھی۔ پریشانی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، برکتوں والی زندگی گذرے۔ ایمان کی وجہ سے برکت بھی ملتی ہے بدلہ بھی ملتا ہے۔ اجر بھی ملتا ہے اور برکت بھی ملتی ہے۔

نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں

برکت مفت میں اور بدلہ حساب سے اور فضل سے بھی دیتے ہیں، حساب کریں گے کہ کس نے کتنا کیا ہے۔حساب اچھائی اور نیکیوں کا ہے تو اس کا بدلہ بڑھا کر دیں گے۔ جو برائیاں ہیں اس کا بدلہ حساب سے دیں گے۔حساب سے زیادہ سزا نہیں ہوگی۔اور اچھے کاموں میں حساب سے زیادہ بدلہ دیں گے۔﴿وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجراً عَظِيماً﴾ جیسے زمین میں گٹھلی ڈالی،تو اللہ نے درخت پیدا کر دیا،اور وہ درخت پھل دیتا ہے،ایسے ہی نیکی کا معاملہ بھی ہے۔نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے انعامات ہیں۔

دین پر چلنے کے لئے فیصلہ کرنا ہے:

میرے بھائیو! دین پر چلنے کے لیے فیصلہ کرنا پڑتا ہے، فیصلہ نہیں ہوگا تو دین کا کام مشکل، دین کا کام نہیں ہوگا، کرو، نہ کرو یہ نہیں چلتا۔لہذا فیصلہ اس بات کا کرنا ہے کہ دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے چاہے جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے ایک سفر میں تھے،راستہ میں ایک آدمی ادھر سے آرہا تھا۔بدوی اعرابی تھا،جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس سے دعوت کی بات کی۔کیوں کہ دعوت کی بات ہر جگہ ہوتی ہے،دعوت کی بات ہر جگہ ہوگی اور ہر زمانہ میں ہوگی اور ہر حال میں ہوگی۔جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس سے یہ فرمایا کہ بھائی! کیا کوئی

بھلائی اور خیر کی بات لینا چاہتے ہو؟ یہ طریقہ ہے دعوت دینے کا، دعوت دینے کے طریقے ہوتے ہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں چلو۔ دعوت کا کام کرنے والوں کے ساتھ رہو، تاکہ تمہیں دعوت دینے کا اسلوب آوے۔ تو حضور ﷺ نے اس بدوی سے سوال کیا کہ کیا آپ کوئی بھلائی حاصل کروگے۔

سوال سے طلب پیدا ہوتی ہے:

چنانچہ جب آپ نے سوال کیا تو اس میں طلب پیدا ہوئی کہ وہ کیا بھلائی ہوگی؟ عرب لوگ بہت بے تکلف ہوتے تھے تو اس نے پوچھ لیا کہ وہ بھلائی کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ بھلائی یہ ہے کہ آپ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، لاالہ الاالله محمد رسول الله۔ اس نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن جو بات آپ کہتے ہیں اس کا کوئی گواہ ہے۔ تمہارے دعوے کا کوئی گواہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بھائی! گواہ ہے۔ اس نے پھر پوچھا کون گواہی دینے والا ہے؟ فرمایا یہ درخت میری بات کی گواہی دیگا، تھوڑی دور ایک درخت تھا، آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میری گواہی دے گا۔ چنانچہ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا، آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا، تو آپ نے اس سے گواہی لی کہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس درخت میں سے تین مرتبہ آواز آئی: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اب بات صاف ہوگئی۔

جب بدوی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کون گواہ ہے؟ تو آپ نے دلیل پیش کردی، گویا دعوی دلیل کے ساتھ ہو۔تو وہ بدوی فوراً آپ کی بات کو مان گیا۔ پھر اس نے کہا کہ ابھی تو میں سفر میں ہوں، راستہ میں ہوں، بعد میں آؤں گا۔قبیلہ والے تیار ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اکیلا آؤں گا۔اس بات کا فیصلہ کرلیا۔ یہ دین کا مزاج ہے کہ دین پر چلنا ہے،ہمیں تو دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے۔ دین پر چلنے چلانے کے لیے یہی تعلیم ہے۔

حق بات کو قبول کرو:

ایک تو یہ ہے کہ بات کو سن کر چھوڑ دیا۔ بات کو سنا، سمجھا اور بہت اچھا لگا، پھر چھوڑ دیا، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سمجھداری کے خلاف بات ہے کہ جس بات کو سنا تھا، سمجھا تھا کہ یہ حق ہے پھر بھی چھوڑ دیا، اس کا حق ادا نہ کیا، یہ بالکل صحیح نہیں، "اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ" یہ حکم ہے کہ کہ اپنے رب کی بات کو قبول کرلو۔ جیسے بدوی نے حق بات کو سنا اور قبول کرلیا۔

بڑی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی:

لہذا جب حق بات آئی اور اپنے آپ کو تیار کرلیا، اس کو قبول کر کیا تو اب کیا ہوگا؟ کہ اب تھوڑے ناگوار حالات آویں گے۔ دین یہ بڑی چیز ہے اور بڑی چیز آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس میں دنیا وآخرت کی کامیابی، دنیا کی برکتیں ہیں، ہمیشہ کی جنت کہ اتنا سب کچھ آسانی سے نہیں ملتا، کچھ تو کرنا پڑے گا۔ جب آدمی کام کو اپنے ذمہ لے گا تو کچھ ناگوار حالات آویں گے۔ جب آدمی دین پر چلے گا تو ایک وقت وہ

آئے گا کہ اس کو کچھ تکلیفیں، کچھ دشواریاں ہوں گی، یہ قاعدہ ہے۔ کسی بھی کام میں ابتداء اور شروع میں کچھ ناگواریاں رہیں گی۔ یہ تو ہوگا ہی ہوگا، اس کے بغیر کیسے ہوگا۔ اس لئے دین کام میں شروع میں کچھ ناگواریاں آئیں گی،

آفت اور مصیبت میں فرق:

اللہ نے ہم کو خبر دے دی ہے کہ دین کے کام میں دشواریاں آئیں گی، گھبرانا نہیں ہے، یہ دشواریاں تمہاری ترقی کا سبب بنیں گی۔ یہ آفت نہیں ہے، آفت تو گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔ مصیبت نیک کاموں میں آتی ہے، آدمی روزہ رکھتا ہے، مصیبت آتی ہے، سخت پیاس ہے، بھوک ہے، گرمی ہے۔ یہ ہوتا ہے روزہ میں۔ مصیبت الگ چیز ہے اور آفت الگ چیز ہے۔ آفت پامال کرنے کے لیے ہوتی ہے اور مصیبت ترقی دینے کے لیے ہوتی ہے۔ حق کے راستہ میں مصیبت آئی ہے تو وہ ترقی دلائے گی۔ اس بات کو سمجھیں، اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے، اور اس لئے سمجھائی ہے کہ شیطان آدمی کو تکلیفوں سے ڈراتا ہے کہ تمہارا یہ ہوجائے گا، تمہارا یہ ہوجائے گا، حدیثوں میں ہے کہ اگر کوئی اسلام قبول کرے تو شیطان اس کو ڈراتا ہے کہ تو کہاں جاتا ہے، تیرے باپ دادا کہاں، اور تو کہاں۔ اس طرح ڈراتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ نہیں وہ باطل ہے اور یہ حق ہے، اس لئے مجھے حق کی اتباع کرنی ہے۔

شیطان دنیا کی تکلیفوں سے ڈراتا ہے:

لہذا جب اس نے حق قبول کرلیا تو اب کیا ہوگا؟ کھاؤ، پیو، اور اللہ، اللہ کرو، بس

اتنا ہی ہے کیا؟ دوسرا کچھ نہیں کرنا ہے کیا؟ اور یاد رکھو کھانے پینے سے اللہ اللہ ہوتا ہی نہیں! کھا پی کر تو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں۔تو شیطان سمجھا تا ہے کہ کھاؤ، پیئو اور اللہ ،اللہ کرو۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہجرت ہوتی تھی۔

اس زمانے میں ہجرت ہوتی تھی تو شیطان ان کو سمجھا تا تھا کہ یہیں رہو، بال بچوں کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے، بے وطن کیسے رہیں گے،تو انہوں نے کہا: نہیں! ہم تو ہجرت کریں گے، کیوں کہ اللہ کا حکم ہے،تو اس طرح ہوتا ہے کہ شیطان ہمیشہ دنیا کی تکلیفوں سے ڈراوے گا، دنیا کے نقصان سے ڈراوے گا، یہ ہی آج کی چیز ہے کہ دنیا کا نقصان اور دنیا کی تکلیفوں سے ڈر کر پیچھے ہو جاتے ہیں۔

تسویف کا مطلب:

دوسری بات شیطان کی طرف سے جو آتی وہ ہے تسویف،تسویف کا مطلب یہ ہے کہ ''سَوفَ اَفعَلُ'' بعد میں کرلیں گے،ابھی کیا ضروری ہے،عید کے بعد کرلیں گے، رمضان کے بعد کریں گے، حج کے بعد،شادی کے بعد کریں گے،اس کو تسویف کہتے ہیں، دوسرے وقت پر ٹالنے کو تسویف کہتے ہیں،اور شیطان یہی کرواتا ہے کہ بعد میں کرلیں گے، ابھی کیا ضروری ہے،اس کو ٹالنا کہتے ہیں،فکر بھی نہیں اور عمل بھی نہیں، دونوں چیزیں نہیں ہیں، یہ ایک خیال ہے اس میں پھنسا دیا ہے کہ بعد میں کریں گے، بہت وقت ہے، ابھی کیا ضروری ہے،اس کو تسویف کہتے ہیں۔

تسویف دخول جہنم کا بڑا سبب:

علماء نے لکھا ہے کہ اکثر جہنم میں جانے والے تسویف کے راستہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ کسی کا حق ہے، کسی کا قرضہ ہے، تو کہتے ہیں کہ دیں گے، کیا کھا کر مرجائیں گے، پھر دے نہیں پاتے ہیں اور یونہی مرجاتے ہیں۔ جب دینے کی طاقت تھی نہیں دیا، نمازوں کا وقت تھا نہیں پڑھی، بعد میں قضاء کرلیں گے، یہ کہہ کر چھوڑ دیا، پھر کون پڑھتا ہے، جب ادا ہی نہیں کرسکا تو قضا کیا کرے گا۔ حقوق کی پامالی اور بربادی اسی سے ہوتی ہے کہ بات سامنے آئی، تقاضا سامنے آیا، بات سمجھ میں بھی آئی لیکن نہیں کیا۔ اس کو تسویف کہتے ہیں کہ ٹالتے رہے اور حق باقی رہ گیا، اللہ کا حق، بندوں کا حق تسویف کی وجہ سے باقی رہ گیا۔

حج کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت:

رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مکہ معظّمہ میں دین کا کام کررہے تھے، کام کی شروعات کا زمانہ، جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ حج کو آتے تھے۔ جاہلیت کا حج اپنے باپ داداؤں کے طریقہ پر کرتے تھے، ننگا طواف کرتے تھے، منی میں جمع ہوتے تھے، بازار بھی لگتے تھے، تجارتیں بھی ہوتی تھیں۔ مجمع باہر سے آتا تھا تو حضور ﷺ اس موقع پر اپنی دعوت لے کر ان میں پھرتے تھے، اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ منی میں لوگوں کے قافلے اپنے اپنے خیمے لگا کر کے رہتے تھے۔ آپ ﷺ ان

کے پاس جاتے تھے،کبھی ابو بکرؓ رہبر ہوتے تھے، کیوں کہ وہ لوگوں کو بہت پہچانتے تھے،عرب کے نسب اور خاندان کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔تو ابو بکرؓ لوگوں کا تعارف کراتے کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ لوگ فلاں ہیں، فلاں قبیلہ سے ہیں، ان کا ہم سے تعلق ہے۔کبھی عباس ابن عبد المطلبؓ رہبر ہوتے تھے۔اس طرح لوگوں کے پاس بیٹھ کران سے دین کی بات کرتے تھے۔مولانا عمر صاحبؒ نے حاجیوں کا کام اسی سے شروع کیا۔اور حاجیوں کے کام کی کارگزاری سناتے تھے کہ حضور ﷺ حج میں آنے والوں کو دین کی دعوت دیتے کہ دعوت قبول کرواور اپنے علاقے میں جا کر بھی اس کی محنت کرو۔

میسرہ کا واقعہ:

چنانچہ ایک مرتبہ آپ منی میں تشریف لے گئے۔ایک قبیلہ کے پاس گئے، ان کے پاس بیٹھ کر بات کی۔اللہ اور آخرت اور اپنے نبی ہونے کو خوب سمجھایا، اور یہ کہا کہ میری دعوت کو قبول کرو اور ایمان لے آؤ۔قافلہ تو چوں کہ حج پر آیا ہوا تھا، اس وقت تیار نہیں ہوا۔اس میں ایک آدمی تھا وہ بہت سمجھ دار تھا، اس کا نام میسرہ تھا۔وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ بھائیو! مجھے اس آدمی کی بات بہت نورانی معلوم ہوتی ہے۔میری رائے یہ ہے کہ ان کی بات کو قبول کرلو۔اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس آدمی کی بات دنیا میں چلے گی۔ان کی بات بہت نورانی ہے، اس کو قبول کرلو۔تو وہ کہنے لگے

کہ نہیں! بھائی ابھی تو ہم حج کے لئے آئے ہیں، حج کے بعد دیکھیں گے۔ابھی تو ہم کو گھر جانا ہے،اوراس کام کے لئے تو آئے نہیں ہیں۔اتنی جلدی بھی کیا ہے،اس طرح انہوں نے بات قبول نہیں کی۔رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہ آدمی بہت سمجھ دار ہے تو آپ نے پھران کو سمجھایا تو اس نے پھر سے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی۔اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ کی بات حق ہے لیکن میری قوم مانتی نہیں،اوراگر میں زیادہ زوردوں گا تو مجھ سے بھی کٹ جائے گی۔ جہالت تھی ان میں،اس لئے وہ تیار نہیں ہوئے۔جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ ابھی ماننے والے نہیں ہیں۔تو ان کوچھوڑ دیا۔

یہودی پادری کا مشورہ:

جب وہ لوگ واپس جانے لگے تو میسرہ نے کہا اگر واپسی کا ارادہ ہے تو جس راستہ سے آئے ہیں اس کے علاوہ راستہ سے جائیں،انہوں نے کہا کہ کیوں؟ جواب دیا کہ اس لئے کہ راستہ میں فدک نامی ایک شہر ہے،آج بھی ہے،اس میں بہت آبادی ہے۔اس شہر میں یہودی لوگ رہتے ہیں،ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھیں گے،ہم تو امی ہیں،وہ یہودی لوگ پڑھے ہوئے ہیں،ان سے پوچھ لیں گے۔چنانچہ فدک پہونچے اور ایک بڑے یہودی سے ملاقات ہوئی۔اس کو پوراواقعہ سنایا کہ منی میں ایسا ہوا۔تواس نے اپنی کتاب نکالی۔پڑھنا شروع کیااوران کوسنایا۔آخری زمانہ کاایک نبی ہوگا، نبی امی،اونٹ پرسواری کریں گے،ٹکڑاروٹی پرگذاراکریں گے،ان

کے آنکھوں اور چہرے مہرے کا نقشہ ایسا ہوگا۔ اور پوچھا کہ کیا یہی شخص تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، ہاں! یہی شخص تھے۔ یہودی کہنے لگا کہ یہ نبی ہے، تم لوگ ان کی بات مان لو۔ میسرہ کہنے لگا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ ان کی باتیں نورانی لگتی ہے، مان لو۔ تو وہ کہنے لگے، ابھی تو ہم کو گھر جانا ہے، ہم تو ہر سال حج میں آتے ہیں، آئندہ سال جب آئیں گے تو ان کی بات مان لیں گے۔ یہودی کہنے لگا کہ ان کی بات مان لو، تمہاری عرب قوم دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک حصہ اس نبی سے لڑے گا اور ایک حصہ ان کی تابعداری کرے گا۔ اس لئے لڑنے والوں میں سے مت بنو کہ نبی سے لڑنا اچھی چیز نہیں ہے۔ نبی سے لڑ کر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ کیوں کہ نبوت کے راستہ میں اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں۔ جو ایمان والے رسول کی راہ پر ہوں گے، ان کی مدد ہوگی۔ لہذا تم ان کے تابعدار ہو جاؤ۔ اور اپنے بارے میں کہا کہ میری قوم اس نبی سے حسد کرے گی، اور بہت سے جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

حجۃ الوداع میں میسرہ کی حاضری:

تو میسرہ نے کہا کہ بھائی بات کتنی روشن اور صاف ہے، مان لو تو کہنے لگے کہ نہیں ابھی تو گھر چلو۔ گھر چلے گئے، اگلا سال آیا، چونکہ وہاں کوئی حکومت نہیں تھی، قبیلے تھے، قبیلہ کا بڑا آدمی جو کہے وہ ہی بات چلتی تھی، تو قبیلہ کے سردار نے کہا کہ اس سال کوئی

حج میں نہیں جائے گا۔ وہ سال تو گذر گیا اور ایسا ہی ہر سال کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہا، یہاں تک نبی ﷺ نے مکی زندگی کا دور ختم کیا، پھر آپ نے مدینہ کی ہجرت فرمائی، ہجرت کے بعد بھی حضور ﷺ نے مدینہ میں دس سال گذار دیئے۔ پھر بھی اس قوم کو موقع نہ ملا، کچھ نہ کچھ مسائل پیدا ہوتے ہی رہے، چنانچہ گیارہویں سال میں حضور ﷺ نے اپنا حج کیا، جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ آپ جب حج میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ بہت بڑی تعداد ایمان والوں کی تھی جو حج کرنے کے لئے آئے تھے۔ یہ میسرہ جس کے دل میں کھٹک تھی وہ بھی حج میں آیا اور حضور ﷺ طواف کررہے تھے، اس نے کہا کہ حضور! مجھے پہچانا تو آپ نے کہا کہ ہاں! پہچان لیا، منی میں ملاقات ہوئی تھی وہ۔ اس نے کہا میرے قافلے کے جتنے لوگ تھے، اس عرصہ میں ایک ایک کر کے سب مرگئے۔ یہ تسویف کا اثر ہے۔ یہ بات مجھے آپ کو سمجھانی تھی۔ اور مجھے بھی تاخیر ہوئی، پھر وہ اسلام لے آئے۔ وہ ایسے وقت میں اسلام لائے کہ حضور ﷺ کی زندگی میں صرف اسی یا نوّے دن باقی رہ گئے تھے۔

دین اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں:

میسرہ نے دوسرا سوال یہ کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو لوگ اس طرح مر گئے ان کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ دوزخ میں جائے گا، یہ تسویف کا اثر ہے کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ دوزخ میں جائے گا، نجات

اسی دین پر ہے: ﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ جو اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو لے کر آوے گا کہ اللہ اس دین کو قبول نہیں کریں گے۔ ہمیشہ کے لئے وہ نقصان میں رہے گا، اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس دین کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں۔ میسرہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسلام نصیب ہوا، یہ مثال ہے تسویف کی کہ دین کے کام میں آڑے آنے والی ایک چیز یہ بھی ہوتی ہے۔ شیطان کام سے ڈراتا ہے یا پھر تسویف میں ڈال دیتا ہے کہ پھر کر لیں گے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ زندگی ساتھ نہیں دیتی یا وہ مرجاتا ہے۔

دین کے کام میں جلدی کرو اور آگے بڑھو:

اس لئے حکم ہے کہ دین کا کام تمہارے سامنے آوے تو جلدی کرو۔ "بادروا بالاعمال" عمل کے لئے تیار ہو جاؤ، قبول کر کے آگے بڑھو، ورنہ فتنے کھڑے ہوں گے، اور ایسی رکاوٹ بنیں گے کہ صبح کو ایمان والا ہے شام کو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے فتنوں کے آنے سے پہلے اپنے کام میں لگ جاؤ، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو، جیسے دنیا کے کام میں آگے بڑھتے ہیں۔

نا گوار حالات دین کی ترقی کا ذریعہ:

اس لئے میں نے کہا کہ دین پر چلنے کے لئے فیصلہ کرو کہ مجھے دین پر چلنا ہی چلنا ہے، جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔ کیا ہوگا؟ وہ ہوگا جو اللہ نے لکھا ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے

کہ جو اللہ نے لکھا ہے وہی ہوتا ہے۔لہذا دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے چاہے کیسے ہی حالات آجاویں، اگر نا گوار حالات آتے ہیں، کہ دین کے کام میں نا گوار حالات ترقی کا ذریعہ بنیں گے۔ یہ آفت نہیں ہے، آفت تو گناہوں کی وجہ سے آتی ہے، جو دلوں کو پریشان کر دیتی ہے، اور جو مصیبت دین کے کام کی وجہ سے آتی ہے وہ دلوں کو پریشان نہیں کرتی۔ روزہ میں بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، گرمی لگتی ہے کہ آدمی اس سے پریشان نہیں ہوتا کہ میرا تو روزہ ہے۔ایسے ہی اگر آدمی کی زندگی ایمان کے ساتھ، یقین کے ساتھ ہوتی ہے اور کوئی پریشانی آتی ہے تو وہ اندر سے اطمینان دلاتی ہے، آدمی گھبراتا نہیں ہے۔ایمان کی یہ برکت ہے کہ ایمان کے ساتھ آنے والی تکلیف بھی گناہ معاف کرادے گی، یا پھر درجہ بڑھاوے گی۔ ہماری بیماریاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ یہ گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اس کے اندر اطاعت آئے گی، کیوں کہ اس کی بیماری کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور مصیبت کی وجہ سے اس کو بدلہ ملتا ہے۔

ایمان ویقین کے برکات:

میرے بھائیو! ایمان ویقین اپنے اندر پیدا کرو۔ جب ایمان ویقین پیدا کرے گا تو پھر بیماری کو بھی رحمت سمجھے گا، ابن مسعودؓ ایک مرتبہ آپ کے پاس آئے، آپ ﷺ کو بخار ہو گیا تھا، تو ابن مسعودؓ نے آپ کے چہرے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ یا رسول اللہ! یہ تو بہت بخار ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اتنا بخار ہوتا ہے کہ جتنا تم میں سے دو

آدمیوں کو بخار ہوتا ہے۔اور یہ اس لئے کہ اس کا اجر وانعام زیادہ ہو۔یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ایمان کے ساتھ جو تکلیف آئے گی وہ بدلہ دلائے گی، وہ گناہ معاف کرائے گی۔ایمان کا کام کرتے ہوئے کچھ پیش آیا تو اس کا اجر الگ ہے۔ایمان کے راستہ میں بھوک آئی ہے، تو اللہ فرشتوں سے کہیں گے، اس کو لکھ لو۔دین کا کرتے ہوئے پیاسے ہوئے ہیں تو فرشتوں سے کہیں گے کہ ان کی پیاس کو لکھ لو۔چل چل کر تھک گئے، ان کی تھکن لکھ لو۔ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا کہ کام کرنے والے کی بھوک، پیاس اور تھکن کو لکھا جاوے اور اس کا بدلہ دیا جاوے، ایسا کہیں ہوتا دیکھا ہے؟ کوئی کمپنی میں، کوئی کارخانہ میں یہ پوچھا جاتا ہو کہ تم کتنے بھوکے رہے، کتنے پیاسے رہے۔کتنے تھکے؟ یہ لکھا گیا ہو، ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا۔اللہ کے راستہ میں یہ ہوتا ہے کہ ان کی بھوک کو لکھ لو، اس کا بدلہ دینا ہے۔اللہ نے ہم کو یہ ترغیب دی ہے۔

قربانیاں لکھی جاتی ہیں:

ایسا ہی دین کا راستہ ہے، یہاں نقصان کی حالت نہیں ہوتی ہے، جو نقصان کی حالت نظر آتی ہے وہ نقصان کی نہیں قربانی کی حالت ہوتی ہے۔دین کے کام میں نقصان ہو گیا، جیسے مہاجرین کا دین کے کام میں نقصان ہوا، بہت نقصان ہوا کہ ہجرت کرنے والے غریب ہو گئے۔مالدار تھے، ہجرت کی وجہ سے مہاجرین فقراء بن گئے۔تو کیا وہ ساری عمر غریب رہے؟ نا! بہت تھوڑا عرصہ ایسا گذرا، پھر ہجرت کی برکتیں ہوئیں، مہاجرین کی مالی حالت اچھی ہوگئی، روایتوں میں ہے کہ ”صاروا میاسر“ مالدار ہو گئے۔مکہ میں ایک گھر

تھا جو ہجرت کی وجہ سے چھوٹ گیا، پھر مدینہ میں مل گیا۔ اسلام لے کر شام پہونچے تو وہاں بھی گھر بن گئے، عراق پہونچے تو وہاں بھی گھر بن گئے، ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً﴾

دین قائم کرنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے:

دین والوں کی وجہ سے دین قائم ہوا ہے، اس لئے دین کے قائم کرنے والوں کو جگہ ملے گی۔ جب دین کو جگہ دیں گے تو کیا اللہ دین والوں کو جگہ نہیں دیں گے؟ لوگوں نے دین کی جگہ مٹادی ہے، اللہ اپنے دین کو جگہ دیں گے، دین زمین پر قائم ہوگا، اور جب دین قائم ہوگا تو دین والوں کو جگہ نہیں ملے گی؟ زمین کس کی ہے؟ زمین اللہ کی ہے؟ ''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰه '' ملک کس کا ہے؟ ملک اللہ کا ہے۔ ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار'' لوگوں کے سارے دعوے جھوٹے ہیں، ساری زمین اور سارا ملک اللہ کا ہے۔ اس لئے جب اللہ کے بندے اللہ کے دین کا کام کرنے والے بنیں گے، تو اللہ ان کے لئے جگہ کرے گا، ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً﴾ جو دین کو جگہ دیں گے، اللہ ان کے خوف کو ہٹا کر امن دیں گے، یہ اللہ کے وعدے ہیں دین کا کام کرنے پر۔

دین کے کام میں آگے بڑھو، حالات ٹھیک ہوں گے:

ہم لوگ حالات سے متاثر ہوگئے ہیں، اس لئے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، حالاں کہ ہمارا آگے بڑھنا یہ ہی ہمارے حالات کو ٹھیک کرنے کا ذریعہ ہے۔ پھر

ہماری مدد یں آسمانوں سے ہوں گی، زمین سے نہیں، زمین والے تو رکاوٹ ڈالیں گے۔ اور آسمان والا مدد کرے گا۔

ہم اللہ والے ہیں، ملک و مال والے نہیں:

ہمارا تعلق اوپر سے ہے نیچے سے نہیں ہے۔ ہم ملک والے نہیں ہیں، ہم زمین والے نہیں ہیں، ہم مال والے نہیں ہیں، ہم تو اللہ والے ہیں۔ ہم کو خطاب ہے: ”یـــا ایھـــا الـذیـن آمنوا“ اے وہ لوگو جو اللہ پر ایمان لے آئے! یہ ہم کو خطاب ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو اللہ والا کہہ کر پکارتے ہیں۔ ملک والو! یا زمین والو ! کہہ کر نہیں پکارتے۔ کیوں کہ ہماری اللہ کے ساتھ نسبت، ایمان کی نسبت ہے۔ اللہ ہمیں ایمان کے تعلق سے پکارتے ہیں۔

ایمان کی تاثیر:

ایمان کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو اوپر لائے گا۔ انہیں عزت دلائے گا، انہیں چین دلائے گا، انہیں اطمینان دلائے گا، انہیں برکت دلائے گا، ایمان کی تاثیر یہی ہے۔ یہ سب ایمان پر وعدے ہیں، مگر یہ کب ہے کہ جب ایمان کا حق ادا کرے۔ اس لئے ایمان کا حق ادا کرو۔ لَاتَزَالُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا“ یہ کلمہ لاالہ الااللہ جو ہے لگا تار کلمہ والوں سے بلاؤں کو ہٹائے گا۔ کلمہ بلاؤں اور عذاب کو روک دے گا، بشرطیکہ کلمہ کا حق ادا کرے۔ مسئلہ یہاں آ کر اٹکا ہوا ہے۔

کلمہ اور ایمان کا حق:

کلمہ کا حق کیا ہے؟ کلمہ کا حق کلمہ کی دعوت ہے، ایمان کا حق ایمان کی دعوت ہے۔نماز کا حق نماز کی دعوت۔ایمان کی محنت اس کا حق ہے، جب یہ حق ادا ہوگا تو اللہ تعالیٰ حالات کو اپنی قدرت سے بدلیں گے۔حالات آتے ہیں تو بھی اللہ کی طرف سے اور بدلتے ہیں تو بھی اللہ کی طرف سے، کسی اور کی طرف سے حالات نہیں آتے۔ جو نعمت آتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے اور کوئی تکلیف آتی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ظاہر میں دوسروں کی طرف سے ہوتی ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا،تو سانپ میں زہر آیا کہاں سے؟ اللہ کی طرف سے؟ سانپ نے صرف زہر کو ظاہر کیا ہے،سانپ زہر پیدا نہیں کرتا۔زہر تو اللہ پیدا کرتے ہیں۔

اسباب میں اللہ کی قدرت کا ظہور:

اسباب جتنے ہیں وہ اللہ کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں، اصل کام ہوتا ہے اللہ کی قدرت سے،اس لئے قدرت پر ایمان لانا ہے، اور قدرت والے سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ایمان کا ، یقین کا،عمل کا تعلق پیدا کرنا ہے۔ جب یہ تعلق پیدا ہوگا تو اللہ اپنی قدرت سے ہماری مدد کریں گے۔اپنی قدرت ہمارے ساتھ کریں گے۔ ہمیشہ حق والوں کے ساتھ چیزیں کم رہی ہیں، اسباب کم رہے ہیں اور مدد زیادہ ہوئی ہے،تعداد تھوڑی اور مدد زیادہ ، ہمیشہ ایسا ہی ہوا۔کیوں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔اس

لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری میں ان کی مدد فرمائی ہے۔ یہ لوگ کام کریں گے اور حال آوے گا تو دعاء مانگیں گے۔

دعاء مؤمن کا ہتھیار ہے:

یہ نبیوں کا طریقہ ہے کہ کام آیا تو محنت کی، اور محنت کا حق ادا کیا۔ اور کام بن نہیں رہا ہے تو اب کیا کرنا ہے کہ اب دعاء کرو۔ حدیث میں ہے کہ دعاء مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کے کام میں حالات آئیں گے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے دعاء کا ہتھیار دیا ہے۔ نبیوں کی دعاؤں کا ذکر قرآن پاک میں ہے کہ انہوں نے کام کیا اور پھر دعاء بھی مانگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں دعوت کا کام کیا تو فرعون کی حکومت ظالم بنی، آپ نے بہت سمجھایا، اس نے ایک بات مان کر نہیں دی، آخر میں موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی۔ یہ آخر میں ہوتا ہے، ہر نبی کو دعاء کی طاقت دی جاتی ہے کہ اس کو استعمال کرنا۔ خاص طور دعاء کی طاقت دی جاتی ہے۔ اپنا کام کر کے دیکھیں کہ نتیجہ نہیں آرہا ہے، اللہ کی بات مانی نہیں جارہی ہے، ظلم ہو رہا ہے، تو اب دعاء کا وقت آگیا، موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی۔ بڑی جلالی دعاء ہے۔ ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلاَ يُؤْمِنُواْ حَتَّى يَرَوُاْ الْعَذَابَ الأَلِيمَ﴾ ان کے مالوں کو مٹادیں، ان کے دلوں کو بگاڑ دے تاکہ وہ تیرے عذاب کے لائق بن جاوے۔ پھر فرعون پر عذاب آیا اور ایک بھی نہیں بچا۔ ﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ جب فرعونیوں نے ہمیں ناراض کیا، ہم نے ان کی گرفت کی

اور ان کو سمندر میں ڈبودیا، پھر اُن سے مصر خالی ہوگیا۔بنی اسرائیل کو وہاں پر آباد کیا۔کیوں کہ ملک اللہ کا ہے، زمین اللہ کی ہے۔اللہ جو چاہے وہ ہوگا۔

دعاء کام کے ساتھ اور کام دعاء کے ساتھ:

اللہ کی مدد ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے، یہ سب باتیں نبیوں کی سیرت میں ہیں۔دعاء ہوئی، دعاء کی خبر آئی کہ ہم نے آپ کی دعاء قبول کرلی ہے آپ کام کرتے رہو۔خالی دعاء نہیں ہوتی۔دعاء کام کے ساتھ اور کام دعاء کے ساتھ ہوتا ہے۔دعاء عمل کے ساتھ اور عمل دعاء کے ساتھ یہ اللہ کا اصول ہے۔تو خبر آئی کہ تم دونوں کی دعاء ہم نے قبول کرلی ہے، اب آپ کو کیا کرنا ہے؟ کہ آپ کو دین کا کام کرتے رہنا ہے۔

نبیوں کی دعوت سالوں کی ہوتی تھی دنوں کی نہیں:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ دعاء کی قبولیت کی خبر آنے کے بعد چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کا کام کیا، نبیوں کی دعوت سالوں والی ہوتی تھی، ہمارے جیسی دنوں والی نہیں ہوتی تھی، ہمارا چلہ تو دنوں کا ہوتا ہے۔نبیوں کی دعوت کے چالیس چالیس سال تک ہوتی تھی۔﴿قَدۡ أُجِيبَت دَّعۡوَتُكُمَا فَٱسۡتَقِيمَا﴾ آپ کی دعاء ہم نے قبول کرلی، فرعون کا ناس ہونے والا ہے، آپ اپنا کرتے رہو۔کتنا کام کرنا ہے کہ علماء نے لکھا کہ اس کے بعد چالیس سال تک کام کیا ہے۔پھر اللہ اس کا اثر دکھایا، ان کے لیے مصر خالی کروایا اور ان کو آباد کیا۔

اللہ طاقتور کو کمزور اور کمزور کو طاقتور بناتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قدرت والے ہیں، کمزور کو قوی اور قوی کو کمزور کردیں۔ طاقتور کو بودا بنادیں اور بودے کو طاقتور بنادیں، ابابیل سے ہاتھیوں کا ناس کرایا۔ صحابہؓ کو یہ بات سنائی کہ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ یہ حضور ﷺ کے پیدائش سے دس پندرہ دن پہلے کا قصہ ہے، جب ہاتھی چڑھ آئے تھے کعبۃ اللہ کو توڑنے کے لئے، کوئی طاقت نہیں تھی، جو لوگ بیت اللہ کے اردگرد رہتے تھے ان کے پاس کوئی طاقت نہیں کہ ہاتھیوں لشکر کا مقابلہ کرے۔ عبدالمطلب حضور ﷺ کے دادا ذمہ دار تھے، ابرہہ نے ان کو بلایا کہ ہمارا ارادہ بیت اللہ کو توڑنے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس گھر کا مالک ایک اور ہے وہ اپنے گھر کو دیکھ لے گا، میں تو اپنے گھر کا مالک ہوں۔ پھر بیت اللہ کے پاس آکر دعاء مانگی کہ اے اللہ یہ تیرا گھر ہے، ہمارے پاس طاقت نہیں، عرب مارے ڈر کے پہاڑوں پر چڑھ گئے کہ ہاتھیوں کا لشکر آرہا ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت دیکھائی، جدہ کی طرف سے پرندوں کا ایک جھنڈ آیا، اور اوپر سے کنکریاں پھینکنی شروع کیں، وہ کنکری ایسا کام کرتی تھی جیسے کارتوس، آرپار نکل جاتی تھی، اس طرح اللہ بتاتے ہیں کہ ہم کمزور ں کو طاقتور اور طاقتور کو کمزور بنا دیتے ہیں۔ یہ اپنی قدرت کی مثال دی ہے۔

تم اللہ کے ہو جاؤ، اللہ تمہارا بچاؤ کرے گا:

صحابہؓ کو ہدایت دی کہ یہ کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے، اللہ کے گھر کی حفاظت اللہ کرتے ہیں، ایسے ہی اگر تم اللہ والے ہو گئے اور تمہیں کوئی توڑنا چاہے گا تو سمجھ لو تمہارا بھی بچاؤ کریں گے۔ تم اللہ کے ہو جاؤ، اگر تم اللہ کے بندے بن جاؤ گے تو اللہ تمہارا ایسا بچاؤ کرے گا جیسا اس نے اپنے گھر کا بچاؤ کیا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں؟ چونکہ یہ قصہ بہت مشہور تھا، بڑا قصہ ہوتا ہے تو تاریخی بن جاتا ہے، عام الفیل بھی تاریخی قصہ بن گیا تھا، اس لئے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تم اللہ والے بنو، اگر تم کمزور ہو گئے تو کیا ہو گیا؟ اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے دلوں میں اللہ کی کبریائی، اللہ کی بڑائی، اللہ کا ڈر ہونا چاہئے۔ عمل میں اللہ کی اطاعت ہونی چاہئے پھر اللہ مددگار رہے۔ یہ فرمایا ہے، ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ کیا خدا بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟ جی ہاں! کیوں نہیں، اللہ ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔

ہمارا کام کوئی معمولی چیز نہیں ہے:

ہمارا کام معمولی نہیں ہے، کام کرتے رہو، پھر دیکھو کیا نتیجہ آتا ہے۔ اسباب کم ہو، سامان کم ہو، تعداد کم ہو لیکن کام ہو۔ پھر یہ کام اسباب، سامان اور تعداد سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اللہ کی مدد کام کی وجہ سے ہوتی ہے، کام ہو گا تو مدد

ہوگی۔رسول اللہ ﷺ جب پیدا ہوئے تو یتیم تھے، باپ پہلے ہی مر گئے، باپ کو نہیں دیکھا، پھر دادا کا سہارا مل گیا، اس طرح حالات ٹوٹتے ہی چلے گئے، پھر جب دعوت کا کام شروع کیا تو پوری قوم مخالف ہوگئی۔کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا تھا، اور جو ساتھ دیتا اس کو بھی مارا جاتا تھا۔ ہر طرف سے بے کسی ہے، کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔

اسلام عجیب طریقہ سے شروع ہوا ہے:

ایک حدیث ہے: ''بَدَأَ الاِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُوْدُ غَرِیْباً '' کہ اسلام شروع ہوا ہے، بے کسی کے عالم میں، اور آخر میں بے کسی ہو جائے گی، ایک ترجمہ تو اس کا یہ ہے اور دوسری ایک توضیح اور بھی ہے۔ ہمارے یہاں نظام الدین میں ایک مرتبہ ایک مصری عالم آئے تھے، عبدالفتاح ابوغدہؒ، بہت بڑے عالم ہیں، حضرت علی میاںؒ کے ساتھی تھے۔میں اور مولانا عمر صاحب پالن پوریؒ بیٹھے ہوئے تھے، ہم سے بات کرر ہے تھے تو یہ حدیث نکالی، چونکہ وہ محدّث تھے، وہ کہنے لگے کہ لوگ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اسلام شروع میں غریب تھا اور آخر میں بھی غریب ہو جائے گا، ٹھیک ہے ترجمہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس ترجمہ سے طبیعتیں پست ہو جاتی ہیں، اس حدیث کی ایک اور توضیح بھی ہے، پھر باقاعدہ انہوں نے نحوی ترکیب کے ساتھ بتایا کہ اسلام عجیب وغریب طریقہ سے شروع ہوا ہے، اور عجیب طریقہ سے ترقی کرے گا۔واقعی بات ہے کہ حضور یتیم ہیں، خاندان مخالف ہے، اطراف کی ساری حکومتیں بھی مخالف ہیں، جو عرب سرحدوں سے آتے تھے وہ آپ کو کہتے تھے کہ آپ کی

بات تو صحیح ہے لیکن ہماری بورڈر اور بادشاہوں کی بورڈر بہت قریب ہے، وہ آپ سے اور آپ کے کام سے ڈرتے ہیں، اس لئے ہم آپ کی بات قبول نہیں کر سکتے۔تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مخالفت ہی مخالفت تھی، لیکن آپ کا کام شروع ہوا اور پھیل گیا اور آج بھی پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے، رکا نہیں ہے۔

ہر وقت اللہ اور رسول کا کلمہ بلند ہوتا رہتا ہے:

میرے بھائیو! چوبیس گھنٹے اذان ہوتی ہے، ہمارے ملک میں اس وقت ہوتی ہے، دوسرے ملک میں اس کے بعد، سرحدوں کے حساب سے اوقات بدلتے ہیں، تو چوبیس گھنٹے نماز کی اذان ہوتی ہے، ہر وقت گواہی ہوتی ہے: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اللہ نے حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ بلند ہوتا ہی رہے گا، کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

اللہ کا دین قیامت تک چلے گا:

آپ کا دین قیامت تک چلے گا اور جو آپ کے دین کو لے کر چلے گا اللہ اس کی مدد کرے گا، یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات ہے: ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ پہلی بات کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے، جب کوئی رسول آیا تو اللہ نے اس کی مدد کی، لوگوں نے اس کی مخالفت

کی، اللہ نے اس کی مدد کی تو اس کا کام ہو گیا، پھر وہ چلا گیا، پھر دوسرا رسول آیا ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، ان کی بھی لوگوں نے مخالفت کی، ان کو مارا، ان کو قتل بھی کر دیا، ظلم تو ہوا اور ہوتا رہے گا، اللہ اپنا کام کرتا رہے گا، جن پر ظلم ہوگا اللہ انکو اوپر لائیں گے، حضور ﷺ نے ایک بات قسم کھا کر فرمائی ہے کہ جس پر ظلم ہوا، اس پر صبر کیا اور اپنی بات پر قائم رہا تو اللہ ان کو اوپر لائیں گے، زمین و آسمان اللہ کا ہے، اور اس میں اسی کا نظام چلتا ہے۔ اس لئے میرے بھائیو! اللہ کے رسول کے ذریعہ سے جو چیز ہم کو پہونچی ہے وہ حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کا حق ادا کریں، اپنی جان سے، اپنے مال سے، ایسی محنت کریں کہ اللہ کے دین کے لئے راستہ کھل جائے، جو اس راستہ کو کھلوانے کی محنت کریں گے، اس کا اجر و انعام بہت زیادہ ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے دو حصے:

صحابۂ کرام کی جماعت کے دو حصے ہیں، ایک وہ گروہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا، دوسرا وہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لایا ہیں، جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا راستے بند تھے، پھر اللہ نے مکہ کو فتح کر دیا، اور کعبہ کی چابیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں آ گئی اور راستہ کھل گیا۔ پھر بہت سارے لوگ دین میں آئے۔ اللہ نے فرمایا جو لوگ راستہ کھلنے سے پہلے ایمان لائے اور وہ جو بعد میں ایمان لائے یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ جنہوں نے پہلے کام کیا اور راستہ کھلوایا ان کا درجہ ان بعد والوں سے زیادہ ہے۔

محنت ہوگی دین کے راستے کھلیں گے:

آج دین کے راستے بند ہو گئے ہیں، راستے کھلوانے ہیں، کیوں کہ تاجروں نے تجارت میں دین کا راستہ بند کر دیا، اپنی مرضی سے تجارت کرتے ہیں، زمین داروں نے زمین میں دین کا راستہ بند کر دیا ہے، زمین داری میں دین کیا ہے کچھ معلوم نہیں۔اسی طرح ہر طاقت والے نے دین چھوڑ کر اپنی طاقت کا استعمال کرنا شروع کر دیا، اس لئے دین کے راستے بند ہو گئے۔تاجروں کی بے دینی، زمین داروں کی بے دینی، حاکموں کی بے دینی، سب راستے بند ہیں۔محنت ہوگی تو راستے کھلیں گے۔پھر یہی لوگ دین پر آئیں گے، تاجر، مالدار سب لوگ دین پر آئیں گے اور اپنی تجارت اور مالداری کا دین پوچھیں گے۔عہدے دار دین پر آئیں گے اور عہدہ کا دین پوچھیں گے۔﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کہ جو ہمارے راستے کی محنت کریں گے تو ہم انہیں اپنے راستے کی رہبری کریں گے، اللہ راستہ کھولیں گے، دشمن کو صحیح بات سمجھائیں گے، کیوں کہ ہم تو کسی کو دشمن نہیں سمجھتے، نبی کسی کو بھی اپنا دشمن نہیں سمجھتا کہ یہ میرا دشمن ہے۔لوگ کہتے تھے کہ حضور اس نے اتنا بڑا جرم کیا، اس کو مار ڈالو۔حضور ﷺ فرماتے تھے کہ نہیں! اسے مارنا نہیں ہے ورنہ لوگ باتیں کریں گے کہ محمد اپنے آدمیوں کو مرواتا ہے، ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔

دین کی دعوت بارش کے پانی کی طرح ہے:

ہمارے دین کی دعوت تو بارش کے پانی کی طرح سب کے لئے ہے، ہر ایک کی زندگی بارش کے پانی کی وجہ سے ہے، چاہے وہ جانور ہو، درخت ہو، انسان ہو، کوئی بھی ہو، سب کی زندگی پانی پر ہے۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ میرا دین بارش کے پانی کی طرح سب کے لئے ہے اور سب کی کامیابی اس دین میں ہے۔ جیسے پانی کے بغیر کوئی جی نہیں سکتا، ایسے ہی آپ ﷺ کے دین کے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ دین رحمت بنا کر سب کے لئے اتارا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے، ورنہ سب کے لئے رحمت، سب کی ہدایت اور سب کی کامیابی اسی میں ہے، اسی لئے امت پر ایک ذمہ داری ڈالی ہے کہ اپنے دین کے لیے ایسی محنت کرو کہ اس کے لئے راستے کھل جاویں۔

دین کا سب سے پہلا اور اہم سبق:

دین کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ صحابہؓ کو حضور ﷺ نے دین کی محنت پر ڈالا، سب سے زیادہ مال دین کی محنت پر خرچ ہوا ہے۔ سب سے زیادہ جانیں دعوت کی محنت پر قربان ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے گھروں میں فاقہ آیا، ایک کھجور کھا کر دین کا کام کیا ہے، اور وہ بھی سفر میں، تو کیا جب کھانا ختم ہوگیا تو کیا وہ گھر چلے گئے؟ نہیں! فاقہ کیا، ایسا ہو تو ہم کیا کریں گے، ہم کوشش کریں گے اور دعاء بھی مانگیں

گے، اللہ انتظام کرے گا، صحابہ نے ایک کھجور کھا کر گذارا کیا، کوئی گھر واپس نہیں چلا گیا۔ پھر اللہ کی مدد آئی کہ کھاؤ، اللہ نے کھانا کھلایا، مدینہ میں بھی کھلایا اور باہر بھی کھلایا، پورا پورا مجمع خندق کھود رہا ہے، بھوکا ہے، پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں، منافق تو بہانہ بنا کر گھر چلے جا رہے ہیں، یہ مؤمنین گھر نہیں جاتے ہیں بلکہ ان حالات میں بھی دین پر جمے ہوئے ہیں، تو اللہ نے ان کو کھانا کھلایا۔

نبی امت کے ساتھ اور امت نبی کے ساتھ ہوتی ہے:

جابر ابن عبداللہؓ نے کھانا بنایا، بہت مختصر، صرف چار پانچ آدمیوں کا، گھر میں کچھ ہے ہی نہیں، پھر بھی میاں بیوی نے مشورہ کر کے کھانا بنایا، پھر حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ سے کان میں جا کر کہا کہ تھوڑا سا کھانا بنایا ہے، آپ اور دو چار آدمی چپکے سے گھر تشریف لائیں۔ بیوی نے سمجھایا تھا کہ دیکھو چپکے سے کہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آبرو جاوے، چنانچہ آپ نے چپکے سے بات کی۔ لیکن چوں کہ نبی امت کے ساتھ ہوتا ہے اور امت نبی کے ساتھ ہوتی ہے، نبی حاکموں کی طرح نہیں ہوتا کہ وہ تو اپنی بناتے ہیں اور لوگوں کی بگاڑتے ہیں۔ نبی تو یہ سوچتا ہے کہ میں تکلیف میں تو لوگ بھی تکلیف میں اور لوگ تکلیف میں تو میں بھی تکلیف میں ہوں۔ جب لوگوں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر بتایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بتائے کہ میری بھوک تمہاری بھوک سے زیادہ ہے، میں بھوک میں تمہارے ساتھ ہوں۔

نبی امت کے لیے والد کے مانند ہوتا ہے:

لہذا جب حضرت جابرؓ نے اپنے گھر آ کر کہا کہ حضور ﷺ نے تو اعلان کیا کہ چلو جابر کے یہاں دعوت ہے۔ ہماری جماعت والے کہتے ہیں کہ کھانا تو اجتماعی عمل ہے، تبلیغ والے کہتے ہیں کہ آٹھ عمل اجتماعی ہے۔کھائیں گے تو سب کھائیں گے اور بھوکے رہیں گے تو سب بھوکے رہیں گے، ایک آدمی کھائے اور ایک نہ کھائے ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت جابرؓ نے تو کان میں کہا تھا کہ آپ اور دو چار ساتھی اور چلیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا، کھائیں گے تو سب کھائیں گے، کیوں کہ کام سب کر رہے ہیں، کام وہ کرے اور کھانے کا نمبر آوے تو میں، ایسا نبی نہیں کرسکتا ہے۔ نبی اپنی امت کے لیے ایسا ہوتا ہے جیسا بیٹوں کے لیے والد، حضور ﷺ نے فرمایا ”انا لکم مثل والد“ کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ ایک ہمدرد باپ ہوتا ہے۔

ایمان اطمینان دلاتا ہے اور بے ایمانی پریشان کرتی ہے:

ذمہ داری امانت داری کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے آپ نے اعلان فرمایا کہ جابر کے یہاں دعوت ہے چلو۔ بیچارے جابرؓ کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بھاگے بھاگے گھر گئے، بیوی کو ساری بات بتائی، وہ کوسنے لگی کہ میں تم کو اتنا سمجھا سمجھا کر بھیجا تھا پھر بھی جا کر بات بگاڑ دی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے تو حضور کو پوری بات بتا دی تھی پھر بھی آپ نے اعلان فرما دیا،، بیوی سمجھدار تھی، انصار کی بیویاں

بڑی ایمان دار ہوتی تھیں۔ کہنے لگی کہ کیا آپ نے بات بتادی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے اعلان کر دیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! کہنے لگی پھر تو کوئی بات نہیں، اب ان کی ذمہ داری ہے، ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ایمان اطمینان دلاتا ہے اور بے ایمانی پریشان کرتی ہے۔ اس لیے کافر کو کبھی چین نہیں ہوتا، حالات سے بہت ڈرتا ہے۔

پہلے ناگوار حالات آتے ہیں پھر اللہ حالات بناتے ہیں:

حضرت جابرؓ کی بیوی کہنے لگی کہ جب حضور ﷺ نے اعلان کیا ہے تو وہ جانے اور ان کا اعلان جانے، وہ خود کریں گے، اب ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی، اس کو یقین کہتے ہیں اللہ پر، اللہ کے وعدوں پر یقین، یہ بہت بڑی دولت ہے۔ یہ محنت اور قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ کھانا کھلایا، سب نے کھایا، سب کو کھلایا، اور بچ بھی گیا۔ پہلے کچھ ناگوار حالات آتے ہیں پھر اللہ حالات بناتے ہیں۔ اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے تھے کہ ہم نے تو ساری خیر ناگواریوں کے راستے سے ہی پائی ہے۔ پوری زندگی کی رپورٹ دی ہے کہ "انا وجدنا خیر الخیر فی الکر" کہ ہم نے ساری خیر ناگواریوں کے راستہ سے پائی ہے۔ ہم پر ناگواریاں آئیں، ہمارے حالات ٹوٹ گئے، پھر اللہ نے اپنی قدرت سے سارے حالات بنادیئے۔ وہ تھوڑا سا وقفہ تھا جو گذر گیا۔ سارے حالات بھاگ گئے، دشمن دوست ہوگئے۔

نبی کسی کو دشمن نہیں سمجھتے:

خالد بن ولیدؓ حضور ﷺ کے بہت بڑے دشمن تھے، ان کا قبیلہ بنی مخزوم بھی بہت طاقتور تھا، وہ ایک عرصے تک اسلام کے دشمن رہے اور مسلمانوں کو اس سے نقصان بھی بہت ہوا۔ احد کی لڑائی میں جو صحابہؓ شہید ہوئے وہ خالد کی بہادری کا اثر تھا، پھر جب انہوں نے حضور ﷺ کے اخلاق دیکھے تو نرم پڑ گئے اور خود ہی آئے اور ایمان لائے اس کے بعد دین کی اتنی خدمت کی کہ ان کو سیف اللہ کا خطاب ملا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خالد بہت سمجھ دار آدمی ہے، اگر یہ اپنی سمجھ کو ہمارے کام میں لگا وے تو ہم اس کی قدر کریں، اور اس کو ہم آگے آگے رکھیں، یہ بات آپ نے مجمع میں کہی، ان کے بھائی نے یہ بات سنی اور خالد کو پہنچائی کہ تو تو بھا گا بھا گا پھرتا ہے اور تیرے لیے تو وہاں یہ بات ہو رہی ہے۔ یہ حضور ﷺ کے اخلاق تھے، آپ کسی کو دشمن نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نرم پڑ گئے اور ۸ھ میں ایمان لائے، حضور ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ان کو دین کی دعوت دینے کے لیے بہت مرتبہ بھیجا ہے، انہوں نے بہت کام کیا۔ اور جب ان کی موت آئی تو انہوں نے اپنی ساری چیزیں اسلام کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب ان کے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لیے گئے، انہوں نے زکوۃ نہیں دی تو انہوں نے آکر حضور ﷺ کو شکایت کی کہ خالد نے زکوۃ نہیں دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب کچھ دین کے لیے دے چکا ہے، اب اس کے پاس مال ہی نہیں ہے

وہ کیا زکوۃ دے گا۔سب کچھ اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا پھر اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

<u>دین رحمت ہے:</u>

دعوت رحمت ہے، دین رحمت ہے۔سب کے حالات ٹھیک ہو گئے ،وہ دشمنی میں تھے اب دین میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے دین اسی لیے دیا ہے کہ اس پر محنت کی جائے ،اس کو ٹالنا نہیں ہے، بلکہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجھے تو دین کا کام کرنا ہی کرنا ہے جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔کیا ہوگا؟ جو اللہ نے چاہا وہ ہوگا۔اب مجھے کیا کرنا ہے؟ کہ مجھے تو جو حکم ملا ہے اس کو بجالانا ہے۔مسلمان کا کام کیا ہے؟ مسلمان کا کام یہ ہے کہ اللہ کی بات مانیں۔اپنے حالات میں دعاء مانگیں اور مشورہ کریں۔ایسا تھوڑا ہے کہ دین پر چل چل کہ لوگ مر جائیں گے، دین پر چل کر کوئی نہیں مرا، ایسا کوئی نہیں ملے گا۔ ہاں! جو کھیلتے کھیلتے مر گئے ،دوسری نادانیوں سے مر گئے ایسے قصے تو بہت ملیں گے۔ہاں !دین کے لیے قربانیاں دینی پڑیں گی۔پھر حالات بنیں گے۔پھر بھوک نے بھوک کو دور کر دیا، پیاس نے پیاس کو دور کر دیا۔حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ پر پیاس آئی اور پھر ایسی دور ہوئی کہ پھر پیاس کبھی آئی ہی نہیں ،وہ پانی اب تک ہے۔پیاس نے پیاس کو ختم کر دیا کہ آئندہ کوئی پیاسا نہیں رہے گا۔دنیا بھر میں پانی جارہا ہے،ان کی پیاس نے سب کی پیاس ختم کر دی۔صحابہ کرام کی بھوک نے سب کی بھوک ختم کر دی۔

دنیا دھوکے کی جگہ ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ کھانے بڑھ جائیں گے، خالی پلیٹ اٹھالو، بھری پلیٹ رکھ دو۔ حدیثوں میں ہے ''یوضع کأس ویرفع کأس '' ایسا دور آئے گا کہ ایک برتن اٹھائیں گے، دوسرا برتن رکھیں گے۔ حضور ﷺ کی بات سچی ہے یہ ہو کر رہے گا، ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ اے لوگو! یاد رکھو، اللہ کا وعدہ حق ہے۔ کوئی نہ گھبراؤ، اپنی ذمہ داری پوری کرو، اگر اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور دین چھوٹ گیا تو دنیا ایک دھوکہ کا سامان ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾ خبردار دنیا دھوکہ نہ دیں، دنیا میں دھوکے ہوتے ہیں۔

تین چیزوں کی محنت کرنی ہے:

اس لئے ہمیں ایمان، اعمال اور اخلاق تین چیزیں بنانی ہیں۔ ایمان ایسا بنے جو اللہ کے دین کے تقاضوں پر لے جاوے، ایمان ایسا بنیں جو اللہ کے فرائض ادا کراوے۔ ایمان ایسا بنے جو اللہ کے حرام سے بچاوے، ایسا ایمان بنانا ضروری ہے۔ ایمان بنے گا تو دین زندگیوں میں بھی رہے گا اور دنیا میں بھی آوے گا، ہر کام کے تقاضے ہوتے ہیں، آدمی دکان کے تقاضے پورا کرتا ہے، دکان پر جاتا ہے، آتا ہے، ہمارا ایک ساتھی جمعرات کو ملا، اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو کہنے لگا

کہ جاپان جارہاہوں،آج جاتاہوں آئندہ جمعرات کو واپس آجاؤں گا۔میں نے پوچھا کیوں جارہے ہو؟ تو کہنے لگا کہ تجارت کا تقاضا ہے۔ایسے ہی علاج کا تقاضا ہوتاہے،شادیوں کا تقاضا ہوتاہے،یہ دنیاہے،لوگ تقاضوں پر جاتے ہیں۔اسی طرح دین کے بھی تقاضے ہیں،اس کے لئے جاؤ،آؤ۔تقاضے پورے ہوں گےتو دین زندہ رہے گا،اس کے لئے ایمان بنانے کی ضرورت ہے کہ اپنا ایمان ایسا بناوے کہ جواللہ کے دین کے تقاضوں پر کھڑا کردے۔یہ تو فرض ہے،اورکرناہی کرناہے۔اس کے لئے دین کی محنت کرنی ہےتاکہ اعمال صحیح ہوجاویں۔

معاشرت بنے گی تو دین کے راستے کھلیں گے:

دوسرا اپنے اخلاق صحیح کرنے ہیں،جس کو معاشرت کہتے ہیں،ہمارا رہن سہن لوگوں کے ساتھ احسان والا ہو۔ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا رہن سہن،ان کی معاشرت احسان اورانصاف والی ہو۔یعنی جواپنے لئے پسند کرے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کریں گے،ہماری جان ومال سے دوسروں کو فائدہ ہوجائے یہ معاشرت کہلاتی ہے،اگر ہماری معاشرت ٹھیک ہوگئی تو دین کے راستے کھل جائیں گے۔ہماری معاشرت بگڑی تو دین کے راستے بند ہوجائیں گے۔اگر ہمارارہن سہن بگڑ گیا تو پھر کوئی دین میں نہیں آئے گا،گندی جگہ پر کون جائے گا؟ بلکہ نفرت ہوگی۔اس لئے حضور ﷺ نے انصار ومہاجرین کو سب سے پہلے بھائی بنایا۔بھائی بن کر کام کرو،دشمن بن کر کام نہیں ہوتا۔بھائی ہوگئے تو ہمدردی ہوگئی،خود

بھوکے رہتے تھے اور دوسروں کو کھانا کھلاتے تھے، اپنی حاجات سے پہلے دوسروں کی حاجت پوری کرتے تھے، اس لئے اسلامی ماحول بنانا ہے۔

مسلمانوں کی معاشرت احسان اور انصاف والی ہو:

دین کے لحاظ سے بھی احسان کرنا ہے اور دنیا کے اعتبار سے بھی۔ یہ معاشرہ بنایا ہے، اکرام مسلم اسی لئے ہے۔ اکرام یعنی تمہاری معاشرت احسان والی، خدمت والی، ہمدردی والی ہو۔ کسی کے ساتھ بھی ہو۔ کتے کو بھی پانی پلاوے تو جنت ملے تو انسانوں کو پلائیں گے تو کیا جنت نہیں ملے گی؟ مؤمن ہو، غیر مؤمن ہو، مسلم ہو، غیر مسلم ہو، ہمارا کام احسان کرنا ہے۔ لہذا اس بات کا حکم دیا کہ احسان کرو۔ مسلمان اپنی جان ومال کو خدمت پر لگاوے گا، خدمت خلق پر لگاوے گا اور اپنی ضرورت پر لگاوے گا۔ تاجر تجارت کرے گا، مزدور مزدوری کرے گا، کسان کھیتی کرے گا، اپنی جان ومال اپنی ضرورت پر لگاوے۔ یہ ترتیب ہے کہ جان ومال سب سے زیادہ دعوت پر، پھر احسان پر، پھر اپنی ضرورت پر لگے گا۔

فضول خرچی انسان کو کنگال کرتی ہے:

کسی سے مانگنا نہیں ہے، خود کمانا ہے اور اس کو دین پر لگانا ہے، ضرورتیں پوری کرنی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوئی تو زندگیاں اسراف پر جائیں گی، اور آج ایسا ہی ہورہا ہے، مال اور وقت کو فضول خرچ کرنا، جب فضول خرچی پیدا ہوجائے گی تو یہ محتاج

بن جائیں گے۔ پھر کمانے میں لگ جائیں گے اور دین کے لیے وقت نہیں ملے گا۔ کیوں کہ زندگیاں اسراف پر چلی گئیں، کھانوں کا اسراف، کپڑوں کا اسراف، مکانوں کا اسراف، شادیوں کا اسراف۔ یہ اسراف آدمی کو کنگال کرتا ہے، اب قربانی کی طاقت نہیں ہے۔ اب کیا کسی پر احسان کریں گے، خود ہی محتاج بن گئے۔

اسراف برکت کو ختم کر دیتا ہے:

دعوت کا اصول یہ ہے کہ اپنی زندگیوں کو اسراف سے بچاؤ اور جان و مال کو حق پر لگاؤ، دعوت پر لگاؤ، خدمت پر لگاؤ پھر اپنی ضرورت میں لگاؤ۔ اس سے مال میں برکت ہوگی، جب اسراف ہوتا ہے تو برکت نہیں ہوتی۔ اسراف سے مال کو بچایا اور تقوی پر لگایا تو اب برکت آئے گی۔ حضرت جیؒ فرماتے تھے کہ کوئی اسراف نہ کرے، یہ دعوت کا اصول ہے، یہ اصول صرف دعوت پھرنے کے زمانہ تک نہیں ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانا ہے۔ اس لئے دعوت کے راستہ میں نکالا جاتا ہے تاکہ جو سنے وہ زندگی میں آئے۔ ایمان، اعمال اور اخلاق زندگی میں آئے یہ پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ پاک کا اس پر وعدہ ہے، ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ کہ جو ایمان لائیں گے اور اخلاص کے ساتھ اعمال کریں گے تو اللہ ان کو پاک زندگی دیں گے، ہماری زندگی ہر پریشانیوں سے پاک ہوجائے گی۔ دلوں میں چین اور اطمینان آئے

گا۔آپس میں محبتیں پیدا ہوں گی اور اسباب میں برکتیں پیدا ہوں گی۔پاک زندگی کے اثرات بتائے ہیں۔اور آخرت کا بدلہ وہ تو الگ ہے۔

اللہ کے وعدے سچے ہیں:

اس لئے میرے بھائیو! اس کام کے لیے قدم اٹھانے ہیں اور اللہ سے مانگنا ہے کہ اللہ ہمیں یہ کام نصیب کرے، اور ہم اس کا حق ادا کریں تا کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے۔صحابہؓ نے اس کا حق ادا کیا، اللہ راضی ہو گئے، ان کی دنیا بھی بنی اور آخرت بھی بنی۔ان کو کوئی شکایت نہیں رہی۔اللہ کے وعدے سچ ہیں کہ جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کریں گے۔

دعاء

بسم الله الرحمن الرحیم : اَللّٰهُمَّ لَكَ الحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهٗ وَلَكَ المُلْكُ كُلُّهٗ وَلَكَ الخَلْقُ كُلُّهٗ بِيَدِكَ الخَيْرُ كُلُّهٗ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ الاَمْرُ كُلُّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهٗ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ . اَللّٰهُمَّ يَآ حِرْزَ الضُّعَفَاءِ يَا كَنْزَ الْفُقَرَاءِ يَا عَظِيْمَ الرَّجَاءِ يَامُنْقِذَ الهَلْكٰى يَا مُنْجِیَ الغَرْقٰى يَامُحْسِنُ يَامُجْمِلُ يَامُنْعِمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ صلی اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الاُمِّی وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن، .اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الاُمِّی وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن، اَللّٰهُمّ جَزَى اللّٰهُ عنَّا نَبِيَّنَا بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ واجْزِ الاَنْبِياءَ كُلَّهُ وَسَلَامٌ عَلٰى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ ـــ رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِيْن ، رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِيْن ،رَبَّنَاظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الخٰسِرِيْن ـرَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار،رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار،رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَاذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارـ اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِنَا اِلٰى دِيْنِكَ واقْبِلْ بِقُلُوْبِ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ ـ اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِيَنَا وَجَوَارِحَنَا بِيَدِكَ لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا شَيْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِنَا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا

وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِيْل اَللّٰهُمَّ كُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِيْل، اَللّٰهُمَّ كُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِيْل. ۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَآ اَنْتَ خَيْرُمَنْ زَكّٰهَآ اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلٰهَا، اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا،اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا،اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِنُفُوْسِنَا۔رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَاحَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِحَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّار

اے اللہ ہماری مغفرت فرمادے، اس مجمع کی مغفرت فرمادے، ہمارے گناہ تیرے سامنے ہیں، اے تو سب کچھ جانتا ہے، تو ہمیں معاف فرمادے، تو نے ہمارے گناہوں پرستاری معاملہ کیا ہے، ہمارے عیبوں کو چھپایا ہے۔ اے اللہ یہ تیرا فضل وکرم ہے، اپنے فضل کرنے سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ایک ایک کی مغفرت فرمادے۔ پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے، اے اللہ ! پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے، اے اللہ ! پوری امت کی پوری مغفرت فرمادے، رشد وہدایت سے مالامال فرمادے۔ اے اللہ! رشد وہدایت سے مالامال فرمادے۔ تیری رضا والے راستے پر موت تک قائم فرمادے۔ اے اللہ! موت سے پہلے سچی پکی توبہ نصیب فرمادے۔ اے اللہ! حق والوں کے حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ تیرے جو حقوق ہے وہ بھی ادا کرادے، اس میں جو کمی رہ جائے اس کو بھی معاف فرمادے۔ دوسروں کے حقوق کے بارے میں بھی ہماری مدد فرمادے۔ ہم کو کسی حق میں گرفتار نہ فرما۔ اے اللہ! ہم کسی کے حق میں گرفتار نہ ہو، تیرے حق میں بھی گرفتار نہ ہو۔ ہماری بھرپور مغفرت فرمادے۔ اے اللہ! پوری امت کی مغفرت فرمادے۔